دار الافتاء اہلسنّت سے جاری شدہ منتخب

قربانی کے فتاویٰ

فہرست

قربانی کے وجوب کا بیان
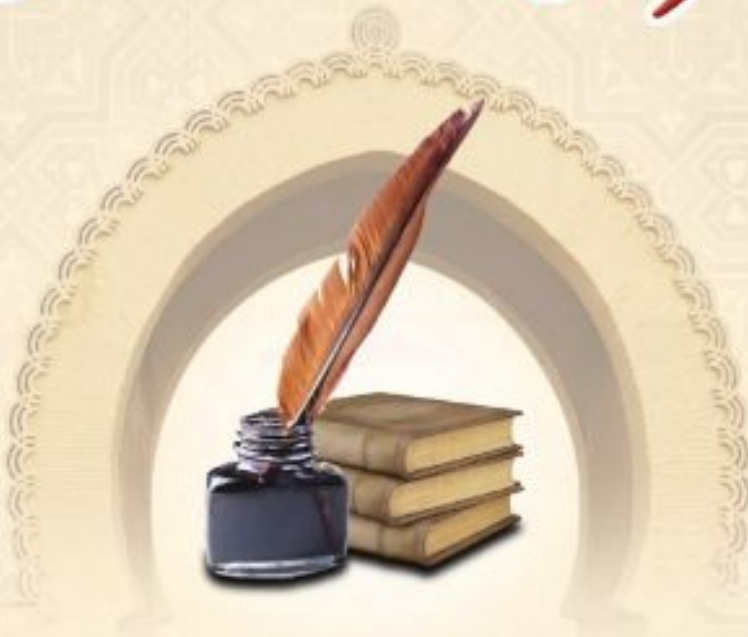
ایک ڈیڑھ تولہ سونا ملکیت میں ہو، تو قربانی کا حکم؟

فتویٰ 1

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ قربانی کا نصاب کیا ہے؟ میری ملکیت میں صرف ایک سے ڈیڑھ تولہ سونا ہے، اس کے علاوہ چاندی یا رقم وغیرہ کچھ بھی میری ملکیت میں نہیں ہے، یہاں تک کہ روزمرہ کے اخراجات کے لیے بھی پیسے نہیں ہیں، تو کیا ایسی صورتِ حال میں مجھ پر قربانی لازم ہو گی؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جس شخص کی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی ہو یا سونا چاندی نصاب سے کم ہوں، لیکن جس قدر ہیں، ان دونوں کو ملا کر یا سونے یا چاندی کو کسی دوسرے مال کے ساتھ ملا کر، اُن دونوں کی مجموعی قیمت عید الاضحیٰ کے ایام میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو، یوں ہی حاجت اصلیہ (یعنی وہ چیزیں جن کی انسان کو حاجت رہتی ہے، جیسے رہائش گاہ، خانہ داری کے وہ سامان جن کی حاجت ہو، سواری اور پہننے کے کپڑے وغیرہ ضروریاتِ زندگی) سے زائد اگر کوئی ایسی چیز مِلکیت میں ہو، جس کی قیمت تنہا یا سونے یا چاندی کے ساتھ ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو، تو وہ نصاب کا مالک ہے اور اُس پر قربانی واجب ہے، لہٰذا پوچھی گئی صورت میں آپ پر قربانی لازم نہیں ہوگی، کیونکہ آپ کے پاس صرف سونا ہی ہے، ساتھ چاندی، رقم، پرائز بانڈز یا کوئی اور ایسا مال نہیں ہے، جس کے ساتھ مل کر مجموعی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر ہو۔

قربانی واجب ہونے کے نصاب کے متعلق بدائع الصنائع میں ہے: " فلا بد من اعتبار الغنی وھو أن یکون فی ملکه مائتا درھم أو عشرون دینارا أو شیء تبلغ قیمته ذلك سوی مسکنه وما یتأثث به وکسوته وخادمه وفرسه وسلاحه و مالا یستغنی عنه وھو نصاب صدقة الفطر" ترجمہ: (قربانی میں) مالداری کا اعتبار ہونا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی ملکیت میں دو سو درہم (ساڑھے باون تولہ چاندی) یا بیس دینار (ساڑھے سات تولہ سونا) ہوں یا رہائش، خانہ داری کے سامان، کپڑے، خادم، گھوڑا، ہتھیار اور وہ اشیاء جن کے بغیر گزارہ نہ ہو، ان کے علاوہ کوئی ایسی چیز ہو، جو اس (دو سو درہم یا بیس دینار) کی قیمت کو پہنچتی ہو اور یہ ہی صدقہ فطر کا نصاب ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب التضحیہ، جلد4، صفحہ196، مطبوعہ کوئٹہ)

سونے کو چاندی کے ساتھ ملانے سے متعلق تبیین الحقائق میں ہے: " ویضم الذھب الی الفضة بالقیمة فیکمل به النصاب لأن الکل جنس واحد" ترجمہ: سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے ملا کر نصاب مکمل کیا جائے گا، کیونکہ یہ آپس میں ہم جنس ہیں۔ (تبیین الحقائق، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، جلد2، صفحہ80، مطبوعہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں: "قربانی واجب ہونے کے لیے صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ ایام قربانی میں اپنی تمام اصلی حاجتوں کے علاوہ 56 روپیہ (اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے دور میں رائج چاندی کا نصاب) کے مال کا مالک ہو، چاہے وہ مال نقد ہو یا بیل بھینس یا کاشت، کاشتکار کے ہل بیل اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہیں، ان کا شمار نہ ہو۔"

(فتاوی رضویہ، جلد20، صفحہ370، رضا فاونڈیشن، لاہور)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ بہارِ شریعت میں فرماتے ہیں: "جو شخص

دو سو درہم یا بیس دینار کا مالک ہو یا حاجت کے سوا کسی ایسی چیز کا مالک ہو، جس کی قیمت دو سو درہم ہو، وہ غنی ہے، اوس پر قربانی واجب ہے۔ حاجت سے مراد رہنے کا مکان اور خانہ داری کے سامان، جن کی حاجت ہو اور سواری کا جانور اور خادم اور پہننے کے کپڑے، ان کے سوا جو چیزیں ہوں، وہ حاجت سے زائد ہیں۔" (بہارِ شریعت، جلد 3، صفحہ 333، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

نوٹ: مذکورہ بالا مسئلے میں فتویٰ تو یہی ہے، لیکن بہت سے لوگ اپنی حاجتِ اصلیہ سے زائد مال کو شمار کرنے میں غلطی کر جاتے ہیں، کیونکہ عام طور پر کچھ نہ کچھ حاجت اصلیہ سے زائد چیزیں موجود ہوتی ہی ہیں، جن کو سونے یا چاندی کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے، تو قربانی کا نصاب بن جاتا ہے، لیکن لوگ توجہ نہیں کرتے۔ جیسے اضافی کپڑے، جوتے یا گھر میں ڈیکوریشن کا سامان یا تفریح کے لیے خرید ا گیا ٹی وی وغیرہا، لٰہذا ان چیزوں کا ضرور خیال رکھا جائے اور کسی عالمِ دین سے مل کر معلومات کر لی جائے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

27 ذیقعدۃ الحرام 1440ھ / 31 جولائی 2019ء

قربانی واجب ہو اور رقم نہ ہو، تو کیا حکم ہے؟

فتویٰ 2

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ میری زوجہ کے پاس تین تولے سونا اور چاندی کا سیٹ ہے، لیکن اس کے پاس نقد رقم موجود نہیں، جس سے وہ جانور خریدے یا حصہ ڈال سکے، کیا وہ قرض لے کر قربانی کر سکتی ہے؟ اس طرح اس کا واجب ادا ہو جائے گا؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں قربانی تو واجب ہے، لہٰذا بہر صورت قربانی کرے اور اگر قرض لے کر بھی قربانی کرے گی، تو واجب ادا ہو جائے گا۔

فتاوی رضویہ وامجدیہ میں ہے:و اللفظ للاول ”جس پر قربانی ہے اور اس وقت نقد اس کے پاس نہیں، وہ چاہے قرض لے کر کرے، یا اپنا کچھ مال بیچے“۔

(فتاوی رضویہ، جلد 20، صفحہ 370، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وقار الفتاوی میں ہے:”جو صاحب نصاب ہے، اس پر قربانی واجب ہے، قربانی کرنے کے لئے اپنا سونا چاندی فروخت کرے یا قرض لے کر کرے، دونوں صورتوں میں سے کسی ایک پر عمل کرے۔“ (وقار الفتاوی، جلد 2، صفحہ 470، مطبوعہ بزم وقار الدین، کراچی)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم

کتبــــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

02ذوالحجۃ الحرام1437ھ / 05 ستمبر2016ء

قرض دی ہوئی رقم پر قربانی کا حکم؟

فتویٰ 3

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کے پاس ایک لاکھ روپے تھے، رمضان المبارک میں اس نے وہ کسی کو بطور قرض دیے اور طے یہ پایا کہ مقروض محرم الحرام میں واپس کرے گا، اب قربانی کے ایام قریب ہیں اور اس کے پاس کوئی اور مال نہیں اور اپنی رقم ان دنوں میں نہیں مل سکتی، کیا زید پر قربانی

کرنالازم ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں زید کے لیے لازم ہے کہ مقروض سے اتنی رقم کا مطالبہ کرے، جس سے قربانی ہو سکے، جب کہ اس کو ظن غالب ہو کہ وہ دے دے گا اور اگر کوئی صورت نہ بنے کہ نہ تو زید کو ایام قربانی میں وہ رقم مل سکتی ہے اور نہ ہی اس کے پاس کوئی اور مال ہے، جس سے جانور خرید سکے، تو اس پر قربانی واجب نہیں۔ اس صورت میں اس پر قرض لے کر قربانی کرنالازم نہیں اور نہ ہی قرض ملنے کے بعد قربانی کے جانور کی قیمت صدقہ کرنالازم ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے: ”له دين حال على مقر وليس عنده مايشتريها به لايلزمه الاستقراض ولا قيمة الاضحية اذا وصل الدين اليه ولكن يلزمه ان يسال منه ثمن الاضحية اذا غلب على ظنه انه يعطيه“ ترجمہ: صاحب نصاب کا کسی ایسے شخص پر قرض فوری ہے، جس کا وہ اقرار کرتا ہے اور اس کے پاس کوئی ایسی شے نہیں کہ جس سے وہ قربانی کے لیے جانور خرید سکے، تو اس پر قربانی کے لیے قرض لینالازم نہیں اور نہ ہی قرض واپس ملنے پر قربانی کے جانور کی قیمت صدقہ کرنالازم ہے، لیکن اس کے لیے قربانی کی قیمت جتنی رقم کا سوال کرنالازم ہے، جبکہ اس کو ظن غالب ہو کہ وہ دے دے گا۔

(فتاویٰ بزازیہ، جلد2، صفحہ406، مطبوعہ کراچی)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”ولو كان عليه دين بحيث لو صرف فيه نقص نصابه لا تجب وكذا لو كان له مال غائب لا يصل إليه في أيامه“ ترجمہ: اگر کسی شخص پر اتنا دَین ہو

کہ وہ اپنامال اس دَین کی ادائیگی میں صرف کرے، تو نصاب باقی نہ رہے، تو اس پر قربانی نہیں ہے۔ اسی طرح جس شخص کا مال اس کے پاس موجود نہیں اور قربانی کے ایام میں وہ مال اسے ملے گا بھی نہیں (بلکہ ایام قربانی کے بعد ملے گا، تو اس پر بھی قربانی واجب نہیں)۔

(فتاوی عالمگیری، کتاب الاضحیہ، جلد 5، صفحہ 292، مطبوعہ کوئٹہ)

صدرالشریعہ بدرالطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رَحْمَۃُاللہِ عَلَیْہ تحریر فرماتے ہیں: ”اوس شخص پر دَین ہے اور اوس کے اموال سے دَین کی مقدار مُجرا کی جائے تو نصاب نہیں باقی رہتی، اوس پر قربانی واجب نہیں اور اگر اس کا مال یہاں موجود نہیں ہے اور ایامِ قربانی گزرنے کے بعد وہ مال اوسے وصول ہو گا تو قربانی واجب نہیں۔“

(بہار شریعت، جلد 3، حصہ 15، صفحہ 333، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــہ

مفتی محمد ہاشم خان عطاری

14 ذوالحجۃ الحرام 1436ھ / 29 ستمبر 2015ء

بیٹے باپ کے کام میں معاون ہیں تو کیا ان پر بھی قربانی واجب ہو گی؟

فتویٰ 4

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاس دس ایکڑ زمین ہے اور اس کے دو بیٹے ہیں جو والد کے ماتحت رہتے ہیں اور والد کے ساتھ کھیتی باڑی میں ہاتھ بٹاتے ہیں، زمین سے آنے والی ساری آمدنی والد کے پاس ہوتی ہے، بیٹوں کو ضرورت کے مطابق خرچہ دیا جاتا ہے، باپ نے نہ تو ان کو جائیداد کا مالک بنایا ہے اور نہ ہی ان کے اپنے پاس نصاب کی مقدار کوئی دوسرا مال یا زمین ہے، تو کیا ان پر قربانی واجب

ہو گی؟ سائل: مولانا نعیم فیض عطاری (جوہر ٹاؤن لاہور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

اگر واقعی ان کے اپنے پاس نصاب کی مقدار ذاتی مال نہیں ہے، تو ان پر قربانی واجب نہیں کہ قربانی کے وجوب کے لیے صاحب نصاب ہونا شرط ہے۔

رہا وہ مال جو انہوں نے کھیتی باڑی سے کمایا وہ تو چاہے جتنا ہو اس سے یہ بیٹے صاحب نصاب نہ ہونگے کہ وہ ان کا ہے ہی نہیں، وہ ان کے والد کا ہے کیونکہ جب بیٹے زراعت وغیرہ کسی پیشہ میں والد کے ساتھ بطور معاون کام کرتے ہوں، تو ان سب کی محنت سے جو مال حاصل ہو وہ سب والد کی ملک ہوتا ہے، بیٹے اس کے مالک نہیں ہوتے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کتبــــــــــــہ

مفتی محمد ہاشم خان عطاری

22 محرم الحرام 1438ھ / 24 اکتوبر 2016ء

پچھلے سال کی قربانی نہیں کی، تو کیا اس سال ہو سکتی ہے؟

فتویٰ 5

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے والد صاحب کی سابقہ چار سال کی قربانیاں باقی ہیں۔ وہ صاحب نصاب تھے، مگر ان سالوں میں قربانی نہیں کی۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ اس سال گائے وغیرہ لے کر سابقہ چار سال کا حصہ بھی شامل کر لیا جائے اور اس سال کی بھی قربانی ادا کر دیں، تو کیا ایسا کرنے سے وہ بری الذمہ ہو جائیں گے یا کچھ اور طریقہ ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں ان پر سابقہ چار سالوں کی قربانی نہ کرنے کی وجہ سے چار بکریوں کی قیمت صدقہ کرنا لازم ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ان کے بدلے میں اس سال بڑے جانور میں حصے کی صورت میں یا بکرا، بکری قربان کر دیں، اس طرح کرنے سے سابقہ قربانیاں ادا نہیں ہو سکتیں، کیونکہ صاحبِ نصاب پر قربانی کے ایام اگر گزر جائیں اور جانور بھی قربانی کے لیے نہ خریدا ہو، تو پھر بکری کی قیمت صدقہ کرنا لازم آتی ہے اور اگر اس سال گزشتہ سالوں کی نیت سے بڑے جانور میں حصہ ڈالیں گے، تو موجودہ سال کی قربانی ہو جائے گی اور باقی گزشتہ سالوں کی طرف سے ادا نہیں ہوں گی، محض نفل ہوں گی اور ایسی صورت میں سارے کا سارا گوشت (یعنی موجودہ سال والی اور دوسری قربانیوں کا گوشت) بھی صدقہ کرنا ہو گا۔

بدائع الصنائع میں ہے: ”انھا لاتقضی بالاراقۃ لأن الاراقۃ لا تعقل قربۃ وانما جعلت قربۃ بالشرع فی وقت مخصوص فاقتصر کونھا قربۃ علی الوقت المخصوص فلا تقضی بعد خروج الوقت“ ترجمہ: قربانی کی قضا خون بہانے (یعنی جانور ذبح کرنے) سے نہیں ہو سکتی، کیونکہ خون بہانا عقلاً قربت نہیں ہے، اسے شرع کی وجہ سے ایک وقت مخصوص میں قربت قرار دیا گیا ہے، تو اس کا قربت ہونا وقت مخصوص تک ہی محدود ہو گا، وقت کے ختم ہونے کے بعد اس طرح قضا نہیں ہو سکتی۔ (بدائع الصنائع، جلد4، صفحہ202، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی میں ایام نحر کے بعد قیمت لازم ہونے کے بارے میں ہے: ”وان کان لم یوجب علی نفسہ ولا اشتری وھو موسر حتی مضت أیام النحر تصدق بقیمۃ شاۃ تجوز فی

الأضحية "ترجمہ: اگر قربانی اپنے اوپر خود واجب نہیں کی تھی اور نہ ہی قربانی کے لیے جانور خریدا تھا اور وہ صاحب نصاب بھی تھا (اور اس نے قربانی نہیں کی) یہاں تک کہ ایام نحر گزر گئے، تو اب ایک ایسی بکری کی قیمت صدقہ کرے گا جس کی قربانی جائز ہوتی ہو۔

(بدائع الصنائع، جلد 4، صفحہ 203، مطبوعہ کوئٹہ)

گزشتہ سالوں کی نیت سے حصہ ڈالنے کے **متعلق** رد المحتار میں ہے: "لو کان أحدھم مریدا للأضحیة عن عامه وأصحابه عن الماضی تجوز الأضحیة عنه ونیة أصحابه باطلة وصاروا متطوعین، وعلیھم التصدق بلحمھا وعلی الواحد" ترجمہ: (بڑے جانور میں) شرکاء میں سے کسی ایک نے موجودہ سال کی قربانی کی نیت کی اور باقیوں نے گزشتہ سالوں کی، تو موجودہ سال والے کی نیت درست ہو جائے گی اور اس کے ساتھیوں کی نیت باطل ہو گی اور ان کی قربانیاں نفل ہوں گی اور ان پر اور اس اکیلے پر (جس نے موجودہ سال کی نیت کی تھی، ان سب پر) گوشت صدقہ کرنا لازم ہو گا۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الاضحیہ، جلد 9، صفحہ 540، مطبوعہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ بہار شریعت میں فرماتے ہیں: "غنی نے قربانی کے لیے جانور خرید لیا ہے تو وہی جانور صدقہ کر دے اور ذبح کر ڈالا تو وہی حکم ہے جو مذکور ہوا اور خریدا نہ ہو تو بکری کی قیمت صدقہ کرے۔"

(بہار شریعت، جلد 3، حصہ 15، صفحہ 338، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مزید اسی میں ہے: " قربانی کے دن گزر گئے اور اس نے قربانی نہیں کی اور جانور یا اس کی قیمت کو صدقہ بھی نہیں کیا یہاں تک کہ دوسری بقر عید آگئی اب یہ چاہتا ہے کہ سال گزشتہ کی قربانی کی قضا اس سال کرلے، یہ نہیں ہو سکتا، بلکہ اب بھی وہی حکم ہے کہ

جانور یا اس کی قیمت صدقہ کرے۔ (بہار شریعت، جلد 3، حصہ 15، صفحہ 339، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

گزشتہ سالوں کی قربانی کی نیت سے حصہ ڈالا تو اس کے **متعلق** بہارِ شریعت میں ہی ہے: " شرکا میں سے ایک کی نیت اس سال کی قربانی ہے اور باقیوں کی نیت سال گزشتہ کی قربانی ہے، تو جس کی اس سال کی نیت ہے اوس کی قربانی صحیح ہے اور باقیوں کی نیت باطل، کیونکہ سال گزشتہ کی قربانی اس سال نہیں ہو سکتی۔ ان لوگوں کی یہ قربانی تطوّع یعنی نفل ہوئی اور ان لوگوں پر لازم ہے کہ گوشت کو صدقہ کر دیں، بلکہ ان کا ساتھی جس کی قربانی صحیح ہوئی ہے، وہ بھی گوشت صدقہ کر دے۔"

(بہار شریعت، جلد 3، حصہ 15، صفحہ 343، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــــــــہ	الجواب صحیح
المتخصص فی الفقہ الاسلامی	مفتی محمد قاسم عطاری
ابو حذیفہ محمد شفیق عطاری	
13 ذیقعدۃ الحرام 1439ھ / 27 جولائی 2018ء	

کسی صاحب نصاب نے پانچ سالوں سے قربانی نہ کی ہو تو وہ کیا کرے؟

فتویٰ 6

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ

(1) اگر کسی شخص نے گزشتہ پانچ سال کی قربانیاں نہ کی ہوں، جبکہ وہ اس پر واجب تھیں، تو اب ہر قربانی کے بدلے میں ایک بکرے کی ہی قیمت صدقہ کرے یا گائے کے حصوں کے حساب سے 5 حصوں کی رقم صدقہ کرنا بھی جائز ہے؟ قربانی واجب تھی، لیکن جانور یا حصہ وغیرہ نہیں خریدا تھا۔

(2) جس طرح زکوۃ کی رقم شرعی حیلہ کرنے سے مدرسہ کی تعمیر میں لگائی جاسکتی ہے کیا اسی طرح پچھلی قربانیوں کی جو رقم ادا کرنا لازم ہے، وہ حیلہ کے ذریعہ مدرسہ کی تعمیر میں لگاسکتے ہیں؟ سائل: محمد شکیل ساجد (ساہیوال)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَایَةَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

(1) اگر کسی نے بلاعذر پانچ سال تک قربانی نہیں کی، تو وہ اِس واجب کو چھوڑنے کی وجہ سے گنہگار رہوا، اب اس سے توبہ بھی کرے اور اس پر ہر سال کی قربانی کے بدلے میں ایک بکری کی ہی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے، گائے کے حصوں کی قیمت صدقہ نہیں کرسکتے کہ کتب فقہ میں اس صورت کا یہی حکم بیان کیا گیا ہے۔

(2) جی ہاں گذشتہ سالوں کی قربانی کی رقم حیلہ شرعیہ کے ذریعہ مدرسہ کی تعمیر وغیرہ پر لگاسکتے ہیں، کیونکہ یہ صدقہ واجبہ ہے اور صدقات واجبہ مثلاً زکوۃ اور صدقہ فطر وغیرہ کا یہی حکم ہے۔

وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــہ

مفتی محمد ہاشم خان عطاری

06 جمادی الثانی 1438ھ / 06 مارچ 2017ء

کرائے پر دیا ہوا مکان ذریعہ آمدنی ہو، تو کیا اس کی وجہ سے قربانی لازم ہو گی؟

فتویٰ 7

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک اسلامی بہن جاب کرتی ہے، لیکن اس سے ملنے والی تنخواہ سے گزر بسر نہیں ہو رہا، اس کے

پاس اپنے رہائشی مکان کے علاوہ ایک اور زائد مکان بھی ہے جسے اس نے خرچہ پورا کرنے کے لیے کرائے پر دے دیا ہے، اخراجات زیادہ ہونے کی وجہ سے اس مکان کی آمدنی بچنے کی بھی امید نہیں ہے، توکیا اس مکان کی وجہ سے قربانی کرنا لازم ہو گا یا نہیں؟

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

اگر قربانی کرنے والے کے پاس آمدنی کا کوئی اور سبب موجود نہ ہو، تو صرف اس کرائے والے مکان کی وجہ سے قربانی لازم نہیں ہو گی، ہاں اگر آئندہ کبھی اس سے ملنے والی آمدنی بچ جائے اور وہ نصاب کے برابر ہوئی یا حاجت اصلیہ سے زائد کسی چیز سے مل کر نصاب کے برابر پہنچ گئی تو قربانی لازم ہو جائے گی۔

کرائے پر دیئے جانے والے مکان کے بارے میں رد المحتار میں ہے "سئل محمد عمن له ارض یزرعها او حانوت یستغلها او دار غلتها ثلاث آلاف ولا تکفی لنفقته ونفقة عیاله سنة یحل له اخذ الزکاۃ وان کانت قیمتها تبلغ الوفا وعلیه الفتوی "ترجمہ: امام محمد علیہ الرحمۃ سے سوال کیا گیا کہ جس کے پاس زمین ہے اور وہ اس میں کھیتی باڑی کرتا ہے یا کرائے پر دی ہوئی دکان یا گھر ہے اور ان کی آمدن تین ہزار روپے ہے اور یہ آمدن اسے اور اس کے اہل و عیال کے لیے کافی نہیں ہے، تو اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے؟ (تو آپ علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا) اسے زکوۃ لینا حلال ہے، اگرچہ اس جائیداد کی قیمت نصاب کے برابر پہنچتی ہو اور اسی قول پر فتوی ہے۔

(رد المحتار، کتاب الزکوۃ، ج 3، ص 347، مطبوعہ کوئٹہ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رَحۡمَۃُ اللہِ عَلَیۡہ سے اس شخص کے متعلق سوال ہوا جس

کے پاس کرائے پر دی ہوئی جائیداد ہے اور اس کی تمام آمدن خرچ ہو جاتی ہے، تو اس پر زکوۃ، فطرہ و قربانی واجب ہے یا نہیں؟ تو آپ علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا: **"شوہر پر صدقہ واضحیہ بھی نہیں،** اگرچہ زیور مذکور بھی اسی کی ملک ہو کہ تمام کا قرض محیط ہے، مگر ان علماء کے نزدیک کہ ایجاب صدقہ واضحیہ میں قیمت جائداد کا اعتبار کرتے ہیں، **اور راجح ومفتی بہ اول ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔"** (فتاوی رضویہ، ج20، ص367، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

04ذوالحجۃ1439ھ /16اگست2018ء

سونا چاندی اور رقم نصاب سے کم ہوں، لیکن مجموعی قیمت نصاب کے برابر ہو تو زکوۃ و قربانی کا حکم

فتویٰ 8

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاس تین چار تولے سونا، دس بارہ تولے چاندی اور تقریبا پچیس ہزار روپے رکھے ہیں اور ان پر سال بھی پورا ہو چکا ہے، ان تینوں چیزوں میں سے کوئی بھی نصاب کو نہیں پہنچتی، تو اس صورت میں اس پر زکوۃ اور قربانی واجب ہوگی یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

صورت مسؤلہ میں شخص مذکور صاحب نصاب ہے اور اس نصاب پر سال بھی پورا ہو چکا ہے، تو اب سونے، چاندی اور رقم کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں دینا اس پر فرض ہے

اور ایام قربانی میں اس مال کی موجودگی کی صورت میں اس پر قربانی بھی واجب ہے۔

درمختار میں ہے: ''نصاب الذهب عشرون مثقالا والفضة مائتا درهم أو عرض تجارة قيمته نصاب من ذهب أو ورق مقوما بأحدهما ربع عشر۔ ''یعنی سونے کا نصاب بیس مثقال اور چاندی کا دوسو درہم ہے یا تجارت کا سامان جس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر ہو اس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ واجب ہے۔ (درمختار مع ردالمحتار، جلد 3، ص 224، مطبوعہ ملتان)

اسی میں ہے: ''و شرط كمال النصاب في طرفي الحول في الإبتداء للانعقاد و في الإنتهاء للوجوب فلا يضر نقصانه بينهما فلو هلك كله بطل الحول'' یعنی سال کی دونوں طرفوں (اول وآخر) میں نصاب پورا ہونا شرط ہے، ابتدا میں انعقاد کے لیے اور انتہا میں وجوب کے لیے، ان دونوں کے درمیان نصاب میں کمی اس کو ضرر نہیں دیتی۔ اگر سارا مال ہلاک ہو گیا، تو پھر سال باطل ہو جائے گا۔ (درمختار مع ردالمحتار، جلد 3، ص 233، مطبوعہ ملتان)

مفتی وقارالدین رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ ارشاد فرماتے ہیں: ''تیسری صورت یہ ہے کہ سونا مقدار نصاب سے کم ہے، لیکن اس کے ساتھ وہ چاندی یا روپے وغیرہ کا بھی مالک ہے، تو اس وقت وزن کا اعتبار نہ ہو گا، بلکہ قیمت کا اعتبار ہو گا، لہذا سونے کی قیمت لگائی جائے گی اور چاندی کی قیمت اور نقد روپوں سب کو سونے کی قیمت کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے گا کہ اگر یہ مجموعہ ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر یا اس سے زائد ہے، تو اس پر زکوۃ فرض ہے اور اگر ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت سے کم ہے، تو اس پر زکوۃ فرض نہیں ہو گی۔'' (وقارالفتاویٰ، جلد 2، ص 387، مطبوعہ کراچی)

سیدی اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن قربانی کے

نصاب کے بارے میں فرماتے ہیں: ”قربانی واجب ہونے کے لیے صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ ایام قربانی میں اپنی تمام اصلی حاجتوں کے علاوہ 56 روپے کے مال (ساڑھے باون تولے چاندی کی مالیت کی مقدار) کا مالک ہو، چاہے وہ مال نقد ہو یا بیل یا بھینس یا کاشت۔“

(فتاوی رضویہ، جلد20، ص370، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ایک اور مقام پر مزید فرماتے ہیں: ”صاحب نصاب جو اپنے حوائج اصلیہ سے فارغ چھپن روپے کے مال (ساڑھے باون تولے چاندی کی مالیت) کا مالک ہو اس پر قربانی واجب ہے۔“ (فتاوی رضویہ، جلد20، ص372، 371، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد نوید چشتی
07ذوالحجۃ الحرام1436ھ / 22 ستمبر 2015ء

صاحبِ نصاب نابالغ بچے پر قربانی کا حکم

فتوی 9

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ میرا بیٹا جو چھ سال کا ہے، ہم نے عرصہ چار ماہ قبل اس کے لیے تقریباً نو تولے سونے کا سیٹ یہ سوچ کر بنوایا تھا، کہ جب اس کی شادی کریں گے، اُس وقت ضرورت ہوئی، تو بیچ کر رقم استعمال کر لیں گے اور ضرورت پیش نہ آئی تو یہی زیور آنے والی بہو کو ڈال دیں گے اور اِن دنوں میں مَیں بھی مالکِ نصاب ہوں اور مجھ پر قربانی واجب ہو گی، آیا اپنی قربانی کے ساتھ مجھے اپنے بیٹے کی طرف سے بھی قربانی کرنی ہو گی (جبکہ وہ تقریباً نو تولے زیور کا مالک ہے)، براہ کرم رہنمائی کی جائے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں نہ آپ کے بیٹے پر قربانی واجب ہے اور نہ ہی اُس کی طرف سے آپ پر، کیونکہ آپ کا (چھ سالہ) بیٹا نابالغ ہے اور قربانی نابالغ پر واجب نہیں اور نہ ہی اُس کی طرف سے اُس کے والد پر واجب ہے۔ ہاں! اگر اُس کی طرف سے اپنے مال سے کریں، تو افضل ہے اور ثواب کے مستحق ہوں گے۔

تنویر الابصار اور در مختار میں ہے: " (فتجب علی حر مسلم مقیم موسر عن نفسه لا عن طفله) علی الظاهر" ترجمہ: (پس آزاد، مسلمان، مقیم، خوشحال پر اپنی طرف سے (قربانی) واجب ہے، نہ کہ اپنے چھوٹے بچے کی طرف سے) ظاہر الروایہ کے مطابق۔"

اس کے تحت علامہ ابن عابدین شامی دمشقی حنفی رَحۡمَۃُ اللہِ عَلَیۡہ (متوفی 1252ھ) رد المحتار میں فرماتے ہیں: " (قوله لا عن طفله) ای من مال الاب، (قوله علی الظاهر) قال فی الخانية: " فی ظاهر الرواية انه يستحب ولا يجب۔۔ و الفتوی علی ظاهر الرواية" ترجمہ: (اپنے چھوٹے بچے کی طرف سے) باپ کو اپنے مال سے قربانی کرنا واجب نہیں، (ظاہر الروایہ کے مطابق) خانیہ میں ہے: " ظاہر الروایہ کے مطابق بچے کی طرف سے قربانی کرنا مستحب ہے، واجب نہیں، ۔۔ اور فتوی ظاہر الروایہ پر ہے۔

(رد المحتار علی الدر مختار مع تنویر الابصار، کتاب الاضحیہ، جلد 9، صفحہ 524، مطبوعہ پشاور)

علامہ علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی علیه رحمة الله الغنی (متوفی 587ھ) بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں: " ذكر القاضی فی شرحه مختصر الطحاوی: " انها لا تجب فی ظاهر الرواية، ولكن الافضل ان يفعل ذلك" ترجمہ: امام قاضی نے اپنی شرح مختصر

الطحاوی میں ذکر کیا کہ ظاہر الروایہ کے مطابق (باپ پر اپنے چھوٹے بچے کی طرف سے قربانی) واجب نہیں، لیکن افضل یہ ہے کہ وہ قربانی کرے۔

(بدائع الصنائع، کتاب التضحیہ، فصل فی شرائط الوجوب فی الاضحیہ، جلد 4، صفحہ 197، مطبوعہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن (متوفی 1340ھ) فتاوی رضویہ شریف میں فرماتے ہیں: " نابالغ اگرچہ کسی قدر مالدار ہو، نہ اس پر قربانی ہے، نہ اس کی طرف سے اس کے باپ وغیرہ پر۔ " (فتاوی رضویہ، جلد 20، صفحہ 369، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

02ذوالحجۃ الحرام1435ھ / 28 ستمبر2014ء

کیا صاحبِ نصاب والد پر نابالغ بچے کی طرف سے بھی قربانی لازم ہے؟

فتویٰ 10

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ والد، صاحبِ نصاب ہو تو کیا اس پر اپنے مال سے اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی قربانی کرنا واجب ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

والد پر اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے قربانی کرنا مستحب ہے کہ اگر کرے گا، تو ثواب پائے گا، لیکن کرنا واجب نہیں کہ اگر نہ کرے تو گنہگار ہو۔ جیسا کہ فقیہ النفس امام قاضی خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: " وفی الولد الصغیر عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی

روایتان فی ظاهرالروایة یستحب ولایجب بخلاف صدقة الفطر وروی الحسن عن أبی حنیفة رحمه الله تعالی انه یجب أن یضحی عن ولده الصغیر وولد ولده الذی لاأب له والفتوی علی ظاهرالروایة" ترجمہ: نابالغ بچے پر قربانی واجب ہونے کے بارے میں امام ابو حنیفہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے دو روایتیں ہیں: ظاہر الروایہ میں ہے کہ والد پر بچے کی قربانی مستحب ہے، واجب نہیں بخلاف صدقہ فطر اور امام حسن نے امام ابو حنیفہ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ سے روایت کی کہ والد پر اپنے چھوٹے بچے اور ایسے پوتے جس کا والد نہ ہو، کی طرف سے قربانی واجب ہے اور فتوی ظاہر الروایہ (واجب نہیں) پر ہے۔

(فتاوی خانیہ، کتاب الاضحیہ، ج03، ص345، مطبوعہ کوئٹہ)

علامہ علاؤالدین حصکفی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: " فتجب عن نفسه لاعن طفله علی الظاهر، بخلاف الفطرة " ترجمہ: والد پر اپنی قربانی واجب ہے نہ اپنے بچے کی، بخلاف صدقہ فطر کے کہ وہ اپنے بچہ کا بھی واجب ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الاضحیہ، ج09، ص524، مطبوعہ کوئٹہ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن فرماتے ہیں: " اولادِ صغار کی طرف سے قربانی اپنے مال سے کرنا واجب نہیں، ہاں مستحب ہے اور قربانی جس پر واجب ہے اس پر ایک ہی واجب ہے زیادہ نفل ہے۔" (فتاوی رضویہ، ج20، ص454، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلَّم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبــــــــــہ
المتخصص فی الفقه الاسلامی
عبدالرب شاکر عطاری مدنی
03صفر المظفر1437ھ /16نومبر2015ء

والد کا اپنی صاحبِ نصاب بالغ اولاد کی طرف سے قربانی کرنے کا حکم

فتویٰ 11

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص جس کی بالغ اولاد صاحب نصاب بھی ہے، تو اس صورت میں والد اپنی بالغ اولاد کی طرف سے قربانی کر سکتا ہے یا نہیں؟ سائل: راشد حسین (فیصل آباد)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں جبکہ اولاد بالغ اور صاحب نصاب ہے، تو والد کو اپنی بالغ اولاد کی طرف سے قربانی کرنے کے لیے ان کی اجازت ضروری ہے، البتہ اگر والد کی بالغ اولاد اسی کی پرورش میں تھی اور والد نے ان کی اجازت کے بغیر قربانی کر دی، تو دلالۃً اجازت ہونے کی وجہ سے والد کا بالغ اولاد کی طرف سے قربانی کرنا استحساناً جائز ہے۔ چنانچہ در مختار میں بیوی بچوں کی جانب سے قربانی کرنے کے بارے میں ہے: "لا عن زوجتہ وولدہ الکبیر العاقل ولوادی عنھما بلا اذن اجزأ استحسانا للاذن عادۃ ای لوفی عیالہ والا فلا" یعنی: بیوی اور عاقل بالغ بیٹے کی طرف سے اس پر واجب نہیں اور اگر ان دونوں کی طرف سے اجازت کے بغیر ادا کر دے تو استحساناً جائز ہے عادۃً اجازت کی وجہ سے یعنی جب عاقل بالغ بیٹا اس کی عیال میں شامل ہو اور اگر عیال میں نہ ہو، تو اجازت کے بغیر جائز نہیں۔ (در مختار مع رد المحتار، ج3، ص370، مطبوعہ کوئٹہ)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن دوسرے کی جانب سے قربانی کرنے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں "قربانی وصدقہ فطر عبادت ہے اور عبادت میں نیت شرط ہے

،تو بلا اجازت ناممکن ہے۔ ہاں اجازت کے لیے صراحۃ ہونا ضروری نہیں دلالت کافی ہے۔ مثلاً زید اس کے عیال میں ہے اس کا کھانا پہننا سب اس کے پاس سے ہوتا ہے۔ یا یہ اس کا وکیل مطلق ہے۔ اس کے کاروبار یہ کیا کرتا ہے۔ ان صورتوں میں ادا ہو جائے گی۔"

(فتاوی رضویہ، ج20، ص453، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

11 محرم الحرام 1437ھ / 13 اکتوبر 2016ء

وراثت میں ملنے والی زمین کی وجہ سے قربانی لازم ہوگی یا نہیں؟

فتویٰ 12

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے ہاں جب کسی کا والد فوت ہو جائے اور وراثت میں ایسی زمین چھوڑے جو اس نے اپنی اولاد کے نام نہ کی ہو، تو ورثا اس زمین کو مل کر استعمال کرتے اور اسی کی فصل کھاتے ہیں، جبکہ ان کی گزر بسر اس زمین پر منحصر نہیں ہوتی بلکہ ان کا ذریعۂ آمدنی اس کے علاوہ ہوتا ہے، لیکن وہ قربانی نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ والد صاحب نے زمین ہمارے نام نہیں کی تھی، اس لیے ہم صاحبِ نصاب نہیں ہیں اور ہم پر قربانی لازم نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ان کی گزر اوقات اس زمین پر منحصر نہ ہو اور ان کے پاس اس زمین کے علاوہ ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی مالیت کے برابر حاجتِ اصلیہ سے زائد مال بھی نہ ہو، لیکن ان کا اس زمین میں بننے والا حصہ ان کی حاجتِ اصلیہ سے زائد اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو، تو اس زمین کی وجہ سے ان پر قربانی لازم ہوگی یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں ان ورثا پر قربانی واجب ہوگی۔

اس مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ تقسیم سے پہلے مالِ وراثت، مالِ شرکت ہوتا ہے اور مالِ شرکت میں جس شریک کا اس کی حاجتِ اصلیہ (یعنی جن چیزوں کے بغیر زندگی گزارنا دشوار ہوتا ہے، جیسے رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے، کھانے کے لیے غلہ، ضرورت کی سواری، گھریلو استعمال کا ضروری سامان، علمی مشاغل والے کے لیے دینی کتابیں جو اس کی ضرورت سے زیادہ نہ ہوں، پیشہ ور افراد کے لئے کام کاج کے اوزار وغیرہ) سے زائد حصہ تنہا یا اس کے دیگر حاجتِ اصلیہ سے زائد مال و سامان کے ساتھ مل کر قربانی کے نصاب یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر ہو، اس پر قربانی واجب ہوتی ہے اور بیٹوں کا یہ سمجھنا کہ چونکہ والد نے زمین ہمارے نام نہیں کی تھی، اس لیے ہم پر قربانی لازم نہیں ہے، یہ خیال درست نہیں، کیونکہ وراثت شریعت کی طرف سے مقرر کردہ جبری و لازمی حق ہے جس میں مورث (یعنی اصل مالک) کے فوت ہوتے ہی وارث کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، اس کے لیے ترکے کا قانونی طور پر وارث کے نام ہونا ضروری نہیں ہوتا۔

قربانی واجب ہونے کے نصاب کے متعلق بدائع الصنائع میں ہے: "فلا بد من اعتبار الغنی وھو أن یکون فی ملکه مائتا درھم أو عشرون دینارا أو شئ تبلغ قیمته ذلك سوی مسکنه وما یتأثث به وکسوته وخادمه وفرسه وسلاحه وما لا یستغنی عنه وھو نصاب صدقة الفطر" ترجمہ: (قربانی کے وجوب کے لیے) مال داری کا اعتبار ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی ملکیت میں دوسو درہم (ساڑھے باون تولہ چاندی) یا بیس دینار

(ساڑھے سات تولہ سونا)ہوں یا اس کی رہائش کے مکان ،خانہ داری کے سامان، کپڑے، خادم، گھوڑا، ہتھیاراور وہ چیزیں جن کے بغیر گزارا نہ ہو، کے علاوہ کوئی ایسی چیز ہو ،جو اس (دوسو درہم یا بیس دینار) کی قیمت کو پہنچتی ہو اور یہی صدقہ فطر کا نصاب ہے۔

(بدائع الصنائع، کتاب التضحیہ، ج4، ص196، مطبوعہ کوئٹہ)

مالِ وراثت کے مالِ شرکت ہونے کے متعلق رد المحتار میں ہے: ”یقع کثیرا من الفلّاحین و نحوهم ان احدهم یموت فتقوم اولادہ علی ترکتہ بلا قسمۃ و یعملون فیھا من حرث و زراعۃ و بیع و شراء و استدانۃ و نحو ذلک ۔۔۔۔۔ ھی شرکۃ ملک کما حررتہ فی تنقیح الحامدیۃ ، ثم رأیت التصریح بہ بعینہ فی فتاوی الحانوتی ، ملخصا ”ترجمہ: کسانوں وغیرہ میں کثرت سے ایسا ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک فوت ہوتا ہے تو اس کی اولاد اس کا ترکہ تقسیم کیے بغیر اسے استعمال کرتی ہے اور وہ اس میں کاشت، کھیتی باڑی، خرید و فروخت، قرض کا لین دین اور اسی طرح کے دیگر کام کرتے ہیں، یہ (یعنی مالِ وراثت میں ان کی شرکت) شرکتِ ملک ہے، جیسا کہ میں نے اسے تنقیح الحامدیہ میں تحریر کیا ہے، پھر میں نے فتاوی حانوتی میں اس کی بعینہٖ صراحت دیکھی۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الشرکۃ، مطلب فیما یقع کثیرا فی الفلاحین الخ، ج6، ص472، مطبوعہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ مالِ وراثت کے مالِ شرکت ہونے کے متعلق فرماتے ہیں: ”اکثر ورثاء میں معمول ہوتا ہے کہ مورث مر گیا، اس کے مال دیہات، دکانات یوں ہی شرکت پر بلا تقسیم رہتے ہیں اور منجملہ ورثہ بعض وارث باقیوں کے اجازت و رضا مندی سے ان میں تصرف کرتے ہیں، شرکتِ عقد نہیں، شرکتِ ملک ہی ہے۔“

(فتاوی رضویہ، ج16، ص107، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سیدی اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ مالِ شرکت میں قربانی کے متعلق فرماتے ہیں: "مالِ شرکت میں جس کا حصہ بقدرِ نصاب نہ ہو، نہ اس کے پاس اپنا اور کوئی خاص مال اتنا ہو کہ حصہ کے ساتھ مل کر نصاب کو پہنچ جائے، اس پر قربانی واجب نہیں یعنی نہ کرے گا تو گنہگار نہ ہو گا۔" (فتاویٰ رضویہ، ج20، ص372، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: "قربانی واجب ہونے کے لیے صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ ایامِ قربانی میں اپنی تمام اصلی حاجتوں کے علاوہ 56 روپیہ (اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے دور میں رائج چاندی کا نصاب) کے مال کا مالک ہو، چاہے وہ (یعنی اصلی حاجتوں کے علاوہ) مال نقد ہو یا بیل بھینس یا کاشت۔ کاشتکار کے ہل بیل اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہیں، ان کا شمار نہ ہو۔"

(فتاویٰ رضویہ، ج20، ص370، مطبوعہ رضا فاونڈیشن، لاہور)

سیدی اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ مورث کے فوت ہوتے ہی مالِ وراثت میں وارث کی ملکیت ثابت ہو جانے کے متعلق فرماتے ہیں: "**ارث جبری ہے کہ موتِ مورث پر ہر وارث خواہ مخواہ اپنے حصہ شرعی کا مالک ہوتا ہے**، مانگے خواہ نہ مانگے، لے یا نہ لے، دینے کا عرف ہو یا نہ ہو، اگرچہ کتنی ہی مدت ترک کو گزر جائے، کتنے ہی اشتراک در اشتراک کی نوبت آئے، اصلاً کوئی بات میراثِ ثابت کو ساقط نہ کرے گی، نہ کوئی عرف فرائض اللہ کو تغیر کر سکتا ہے، یہاں تک کہ نہ مانگنا درکنار، اگر وارث صراحۃً کہدے کہ میں نے اپنا حصہ چھوڑ دیا، جب بھی اس کی ملک زائل نہ ہو گی۔"

(فتاویٰ رضویہ، ج26، ص113، مطبوعہ رضا فاونڈیشن، لاہور)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہُ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلَّم

کتبــــــــــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

26ذوالقعدۃ الحرام 1441ھ / 18جولائی 2020ء

پرائز بانڈز کے انعام سے قربانی وغیرہ نیک کام کرنا کیسا؟

فتویٰ 13

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ حکومت پاکستان کے جاری کردہ پرائز بانڈز جائز ہیں یا نہیں؟ اگر جائز ہیں تو قرعہ اندازی کے ذریعے نکلنے والی رقم سے حج، عمرہ، مسجد کی تعمیر یا قربانی وغیرہ نیک کام کیے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

چالیس ہزار روپے والا جو پریمیم پرائز بانڈ گورنمنٹ نے جاری کیا ہے، وہ سودی ہے اور ناجائز ہے، جب کہ اس کے علاوہ آج کل رائج عام پرائز بانڈز خریدنا، پاس رکھنا، ان کی خرید و فروخت کرنا اور اس پر قرعہ اندازی کے ذریعے نکلنے والی رقم لینا شرعا جائز ہے کہ یہ رقم تحفہ اور انعام ہے، یہ جوا اور سود نہیں ہے اور سود کے حکم میں بھی نہیں ہے، لہذا اس رقم کو خود اپنے استعمال میں بھی لاسکتے ہیں اور اس کو کسی بھی جائز کام مثلاً حج، عمرہ، مسجد کی تعمیر اور قربانی وغیرہ میں استعمال کرسکتے ہیں۔

یہ جوئے کے حکم میں اس لیے نہیں کہ خریدار نے جو پرائز بانڈ خریدا ہے، اس میں اس کی اصل رقم ڈوبنے کا ضعیف سا بھی اندیشہ نہیں ہے، بلکہ اس میں مالک جب چاہے، اس کو اپنی ضرورت کے وقت بیچ سکتا ہے، خواہ قرعہ میں نمبر آئے یا نہ آئے اور جوا یہ ہوتا ہے کہ اس میں اپنی رقم ڈوبنے یا دوسرے کی رقم اچانک ملنے کا اندیشہ ہو۔

چنانچہ معجم لغۃ الفقہاء میں جوا کی تعریف یوں کی گئی ہے: "تعلیق الملك علی الخطر والمال من الجانبین" یعنی اپنی ملکیت کو خطرے میں ڈالنا، اس حال میں کہ مال دونوں طرف سے ہو۔ (معجم لغۃ الفقہاء، صفحہ 368)

اور یہ سود اس لیے نہیں ہے کہ سود دو صورتوں میں ہوتا ہے، ایک قرض کی صورت ہے اور دوسری جنس و قدر والی اشیاء کی باہمی خرید و فروخت والی صورت ہے اور یہاں انعام میں دونوں میں سے کوئی صورت بھی نہیں۔

ہدایہ میں ہے: "ان الربا ھو الفضل المستحق لأحد المتعاقدین فی المعاوضۃ الخالی عن عوض شرط فیہ" یعنی سود متعاقدین میں سے کسی ایک کے لیے عقد سے ثابت ہونے والی اس مشروط زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو۔

(ہدایہ، جلد 3، ص 61، مطبوعہ دار النفائس، ریاض)

علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه پرائز بانڈ کے بارے میں فرماتے ہیں: "پچاس روپے، سو روپے، پانچ سو روپے یا ایک ہزار روپے کے پرائز بانڈ خریدنا اور ان پر انعام لینا جائز ہے۔ شریعت نے حرام مال کی کچھ صورتیں مقرر کی ہیں جو یہ ہیں: (1) کسی کا مال چوری، غصب، ڈکیتی یا رشوت کے ذریعے لیا جائے، (2) جوئے میں مال حاصل کیا جائے، (3) سود میں لیا جائے، (4) اور یہ کہ بیع باطل کے ذریعے لیا جائے، پرائز بانڈ میں ان میں کوئی ایک بھی صورت نہیں۔"

آخر میں فرماتے ہیں: "خلاصہ یہ ہے کہ انعامی بانڈ میں زیادت (اضافہ) مشروط نہیں، لہٰذا سود نہیں ہے اور پیسے میں کمی نہیں ہوتی، لہٰذا جوا نہیں ہے اور لینے والا اپنی خوشی سے کچھ زیادہ دے دے، وہ جائز ہے اور اس کے لیے قرعہ اندازی کرنا بھی جائز ہے، تو انعامی

بانڈ کے ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے"۔

(ملخصاً از وقار الفتاویٰ جلد 1 ص 227 تا 229 ناشر بزم وقار الدین کراچی)

البتہ چالیس ہزار والا پریمیم پرائز بانڈ سراسر سودی بانڈ ہے، کیونکہ یہ بانڈ قرض کی رسید ہے اور اس پر ملنے والا ششماہی یا سہ ماہی نفع قرض پر مشروط نفع ہے اور حدیث مبارک کے مطابق قرض پر ملنے والا مشروط نفع سود ہے، اس لیے اس پریمیم بانڈ کا خریدنا، بیچنا اور اس پر ملنے والا سہ ماہی یا ششماہی نفع لینا ناجائز و حرام اور سود ہے اور سود کی حرمت قرآن و حدیث میں واضح طور پر موجود ہے۔

قرض پر نفع سود ہے۔ چنانچہ کنز العمال میں حضرت علی رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: "کل قرض جر منفعۃ، فھو ربا" جو قرض نفع کھینچے، وہ سود ہے۔

(کنز العمال، کتاب الدعوی، الباب الثانی فی ترہیب عن استقراض، جلد 6، صفحہ 238، بیروت)

سیدی اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: "بربنائے قرض کسی قسم کا نفع لینا مطلقاً سود و حرام ہے"۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 25، ص 223، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اور سود کی حرمت قرآن عظیم میں واضح طور پر موجود ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ ترجمہ کنز الایمان: اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔" (پارہ 3، سورۃ البقرہ، آیت 275)

نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے سود لینے اور دینے والے پر لعنت فرمائی، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت جابر رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں: "لعن رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ، وقال ھم سواء" رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ

وَالِہٖ وَسَلَّم نے سود لینے والے، دینے والے، اسے لکھنے والے اور اس پر گواہ بننے والوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا: یہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔“

(صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب الربا، جلد 2، صفحہ 27، مطبوعہ کراچی)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبــــــــــــــہ	الجواب صحیح
المتخصص فی الفقہ الاسلامی	مفتی محمد قاسم عطاری
محمد نوید چشتی	
05ذوالقعدۃالحرام1440ھ/09جولائی2019ء	

بقدرِ نصاب مہر جو ابھی ادا نہیں کیا، کیا اس کی وجہ سے قربانی لازم ہو گی؟

فتویٰ 14

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ جس شخص کے ذمہ بیوی کا مہر مؤجل (جو طلاق یا وفات کے وقت دینا ہو گا) دو لاکھ روپے ہوں ،تو کیا مہر کے دو لاکھ نکالنے کے بعد اس کی قربانی کا نصاب شمار کیا جائے گا یا مہر کی رقم نکالے بغیر شمار کیا جائے گا؟ اور کیا اس مہر کی وجہ سے بیوی مالک نصاب سمجھی جائے گی اور اس پر قربانی واجب ہو گی یا نہیں؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں شوہر کی قربانی کا نصاب مہر کی رقم نکالے بغیر شمار کیا جائے گا کہ جس طرح مہر مؤجل شوہر پر زکوٰۃ واجب ہونے سے مانع نہیں اسی طرح قربانی واجب ہونے سے بھی مانع نہیں ،لہٰذا اگر اس کے پاس صرف اتنا مال ہے ،جو قربانی کے

نصاب تک پہنچتا ہے، تو اس پر قربانی واجب ہو گی اور اگر مال نصاب سے کم ہے، تو قربانی واجب نہیں ہو گی۔ نیز اس کی بیوی مہر (معجل ہو یا مؤجل) کی وجہ سے مالک نصاب نہیں سمجھی جائے گی، لہٰذا اگر بیوی کے پاس مہر کے علاوہ مال نصاب سے کم ہے، تو اس پر قربانی واجب نہیں ہو گی اور اگر مال نصاب تک پہنچتا ہے، تو اس پر قربانی واجب ہو گی۔

مہر مؤجل شوہر پر وجوبِ زکوٰۃ سے مانع نہیں، اس سے متعلق در مختار مع رد المحتار میں ہے: "او مؤجلاً و الصحیح انه غیر مانع" ترجمہ: اور صحیح یہ ہے کہ مہر مؤجل وجوبِ زکوٰۃ سے مانع نہیں۔ (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الزکاۃ، جلد 3، صفحہ 177، مطبوعہ ملتان)

مہر (معجل ہو یا مؤجل) کی وجہ سے عورت مالک نصاب نہیں ہو گی، اس سے متعلق عالمگیری میں ہے: "والمرأة تعتبر موسرة بالمهر اذا كان الزوج ملياً عندهما وعلى قول ابی حنيفة رحمه الله تعالى الآخر لا تعتبر موسرة بذلك، قيل: هذا الاختلاف بينهم فی المعجل الذی يقال له بالفارسية: دست پیمان، و اما المؤجل الذی سمی بالفارسية: كابين، فالمرأة لا تعتبر موسرة بذلك بالاجماع" ترجمہ: جب شوہر مالدار ہو، تو عورت کو مہر کی وجہ سے مالدار سمجھا جائے گا صاحبین علیہما الرحمۃ کے نزدیک اور امام اعظم علیہ الرحمۃ کے ایک قول کے مطابق عورت کو اس (مہر) کی وجہ سے مالدار نہیں سمجھا جائے گا اور کہا گیا کہ یہ اختلاف مہر معجل کے بارے میں ہے، جسے فارسی میں "دست پیمان" کہا جاتا ہے، بہر حال مہر مؤجل، جسے فارسی میں "کابین" کہا جاتا ہے، اس کی وجہ سے عورت کو مالدار نہیں سمجھا جائے گا، اس پر اجماع ہے۔

(عالمگیری، کتاب الاضحیہ، باب تفسیرہا و رکنہا، جلد 5، صفحہ 361، مطبوعہ کراچی)

مہر مؤجل شوہر پر وجوبِ زکوٰۃ سے مانع نہیں، اس سے متعلق فتویٰ رضویہ میں

ہے: ”آج کل عورتوں کا مہر عام طور پر مہر مؤخر ہوتا ہے، جس کا مطالبہ بعدِ موت یا طلاق ہوگا۔ مرد کو اپنے تمام مصارف میں کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ مجھ پر یہ دَین (قرض) ہے ، ایسا مہر مانع وجوبِ زکاۃ نہیں ہوتا۔“ (فتاویٰ رضویہ، جلد10، صفحہ 143، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

بہار شریعت میں ہے: ”جو دَین میعادی ہو، وہ مذہب صحیح میں وجوبِ زکاۃ کا مانع نہیں ۔چونکہ عادۃً دَین مہر کا مطالبہ نہیں ہوتا، لہٰذا اگرچہ شوہر کے ذمہ کتنا ہی دَین مہر ہو، جب وہ مالکِ نصاب ہے، زکاۃ واجب ہے۔ خصوصاً مہر مؤخر جو عام طور پر یہاں رائج ہے، جس کی ادا کی کوئی میعاد معین نہیں ہوتی، اس کے مطالبہ کا تو عورت کو اختیار ہی نہیں، جب تک موت یا طلاق واقع نہ ہو۔“ (بہار شریعت، جلد1، حصہ5، صفحہ879، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مہر (معجل ہو یا مؤجل) کی وجہ سے عورت مالک نصاب نہیں ہوگی، اس سے متعلق بہار شریعت میں ہے: ”عورت کا مہر شوہر کے ذمہ باقی ہے اور شوہر مالدار ہے، تو اس مہر کی وجہ سے عورت کو مالکِ نصاب نہیں مانا جائے گا، اگرچہ مہر معجل ہو اور اگر عورت کے پاس اس کے سوا بقدرِ نصاب مال نہیں ہے، تو عورت پر قربانی واجب نہیں ہوگی۔“

(بہار شریعت، جلد3، حصہ15، صفحہ333، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

03ذوالحجۃ الحرام1440ھ / 05اگست2019ء

کیا قربانی کے دنوں میں عقیقہ کرنے سے قربانی لازم ہو جاتی ہے؟

فتویٰ 15

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ سنا ہے

کہ بڑی عید پر عقیقہ کرنا چاہیں تو ساتھ میں عید کے دنوں میں ہونے والی قربانی بھی کرنی ہوگی، اگر وہ قربانی نہیں کی، تو عقیقہ بھی ادا نہیں ہوگا۔ کیا یہ مسئلہ درست ہے؟ وضاحت فرمادیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

سوال میں مذکور مسئلہ کہ "جو قربانی کے دنوں میں عقیقہ کرنا چاہے، اسے ساتھ میں عید کی قربانی بھی کرنی ہوگی، ورنہ عقیقہ ادا نہیں ہوگا" درست نہیں ہے، کیونکہ عقیقہ اور عید کی قربانی دو مستقل جدا چیزیں ہیں، عقیقہ سنّتِ مستحبّہ ہے، اگر کوئی شخص باوجودِ قدرت عقیقہ نہیں کرتا، تو وہ گنہگار یا مستحقِ عِتاب نہیں، جبکہ قربانی کی شرائط متحقق ہونے کی صورت میں واجب اور اس کا بلا عذر ترک ناجائز و گناہ ہے، لہٰذا یہ دو جدا چیزیں ہیں، ان میں سے ایک کی ادائیگی دوسرے پر ہرگز موقوف نہیں۔ ہاں دو قربانیاں کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مثلاً کسی پر شرعاً عید کی قربانی واجب ہے، اب وہ ان دنوں میں عقیقہ بھی کرنا چاہتا ہے، تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ اسے دو قربانیاں کرنی ہوں گی، ایک تو خود پر واجب قربانی کی نیت سے اور ایک عقیقہ کی نیت سے، ایسا شخص اگر صرف عقیقہ کرے، خود پر واجب قربانی ادا نہ کرے تو گنہگار ہوگا اور اس کا اس طرح واجب قربانی چھوڑ کر ایک مستحب کام یعنی عقیقہ کرنا کوئی قابلِ تحسین عمل بھی نہیں، بلکہ بہت بڑی غلطی ہے، مگر اس صورت میں بھی عقیقہ ادا ہو جائے گا۔

العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ میں عقیقہ سے متعلق فرمایا"قال فی السراج الوھاج فی کتاب الاضحیۃ مانصہ مسئلۃ : العقیقۃ تطوع ان شاء فعلھا و ان شاء لم یفعل۔

سراج الوھاج، اضحیہ کے باب میں جو فرمایا، اس کی عبارت یہ ہے کہ مسئلہ: "عقیقہ نفل یعنی مستحب ہے، اگر چاہے تو کرے اور اگر چاہے تو نہ کرے۔" (العقود الدریہ، ج2، ص367)

قربانی سے متعلق متن تنویر الابصار اور شرح درمختار میں ہے": (فتجب التضحیۃ (علی حر مسلم مقیم موسر) یسار الفطرۃ (عن نفسہ)۔ملخصا "پس آزاد، مسلمان، مقیم کہ جو صدقۂ فطر کے نصاب کی طاقت رکھتا ہو، اس پر اپنی طرف سے قربانی کرنا واجب ہے۔ (تنویر و در مع رد المحتار، ج9، ص524، 521)

واجب قربانی کے بجائے دوسرے کی طرف سے نفلی قربانی کرنے والے سے متعلق صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "واجب کو ادا نہ کرنا اور دوسروں کی طرف سے نفل ادا کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ پھر بھی دوسروں کی طرف سے جو قربانی کی، ہو گئی۔" (فتاویٰ امجدیہ، ج3، ص315)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلَّم

کتبــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

ماہنامہ فیضان مدینہ ذوالحجۃ الحرام 1440ھ

قربانی میں شرکت کا بیان

چار افراد کا برابر برابر رقم ملا کر ایک جانور قربان کرنا کیسا؟

فتویٰ 15

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ اگر چار افراد مل کر برابر برابر رقم ڈال کر ایک بڑا جانور مثلاً گائے خرید کر بہ نیّتِ قربانی ذَبح کریں، تو ان کی

قربانی ہو جائے گی یا نہیں، حالانکہ بڑے جانور میں تو سات حصے ہوتے ہیں؟ نیز ان میں گوشت کی تقسیم کس طرح ہو گی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں ان چار افراد کی قربانی ہو جائے گی کہ گائے، اونٹ وغیرہ جانوروں میں کم اَز کم ہر شخص کا ساتواں حصہ ہونا ضروری ہے اور اس سے زیادہ ہو تو حَرَج نہیں، گوشت وَزْن کرکے برابر برابر تمام شُرَکا میں تقسیم کیا جائے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبــــــــــــہ

مفتی محمد ہاشم خان عطاری

ماہنامہ فیضان مدینہ ستمبر 2017ء

گائے، بیل یا اونٹ میں سات حصے ہونا ضروری ہے یا کم بھی ہو سکتے ہیں؟

فتویٰ 17

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک بیل یا گائے میں سات حصے داروں سے کم یعنی تین، چار، پانچ یا چھ حصے دار بھی شامل ہو سکتے ہیں یا سات حصے دار ہونا ہی لازم ہے؟ وضاحت فرمادیں۔ سائل: محمد مطلوب گولڑوی (راولپنڈی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

بڑے جانور یعنی گائے، بیل یا اونٹ کی قربانی میں زیادہ سے زیادہ سات حصے ہو سکتے ہیں اور اس سے کم میں کوئی تعداد مقرر نہیں، لہٰذا سات شرکاء سے کم جتنے بھی ہوں وہ اس

میں شریک ہو سکتے ہیں، کیونکہ ایسا جانور جس میں سات شرکاء کی شرعا اجازت ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں کسی بھی شریک کا حصہ ساتویں سے کم نہ ہو۔ اگر بعض شریکوں کا حصہ ساتواں اور دوسرے بعض کا ساتویں سے زیادہ ہے، تو یہ جائز ہے، اسی طرح اگر سب شریکوں کا حصہ ساتویں سے زیادہ ہے، تو بدرجہ اولیٰ جائز ہو گا، ہاں البتہ اگر ساتویں سے کم حصہ کسی کا ہو، افراد سات ہوں یا کم تو اس صورت میں کسی کی قربانی نہیں ہو گی۔

در مختار میں ہے: " تجب شاۃ أو سبع بدنۃ ھی الإبل و البقر، و لو لأحدھم أقل من سبع لم یجزعن أحد، و تجزی عما دون سبعۃ بالأولی " ترجمہ: ایک بکری یا بڑے جانور جیسے اونٹ اور گائے کا ساتواں حصہ واجب ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک کا ساتویں حصے سے کم ہو، تو کسی ایک کی طرف سے بھی جائز نہیں ہو گی اور اگر شریک سات سے کم ہیں، تو قربانی بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ (در مختار مع رد المحتار، جلد 9، ص 525،524، مطبوعہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: "جب قربانی کی شرائط مذکورہ پائی جائیں تو بکری کا ذبح کرنا یا اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ واجب ہے، ساتویں حصہ سے کم نہیں ہو سکتا، بلکہ اونٹ یا گائے کے شرکاء میں اگر کسی شریک کا ساتویں حصہ سے کم ہے، تو کسی کی قربانی نہیں ہوئی یعنی جس کا ساتواں حصہ یا اس سے زیادہ ہے اس کی بھی قربانی نہیں ہوئی، گائے یا اونٹ میں ساتویں حصہ سے زیادہ کی قربانی ہو سکتی ہے مثلاً گائے کو چھ یا پانچ یا چار شخصوں کی طرف سے قربانی کریں ہو سکتا ہے اور یہ ضرور نہیں کہ سب شرکاء کے حصے برابر ہوں، بلکہ کم و بیش بھی ہو سکتے ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ جس کا حصہ کم ہے تو ساتویں حصہ سے کم نہ ہو۔"

(بہار شریعت، جلد 3، حصہ 15، ص 335، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم

الجواب صحیح	کتبــــــــــــــہ
مفتی محمد قاسم عطاری	المتخصص فی الفقہ الاسلامی
	محمد نوید چشتی
	08ذوالحجۃ الحرام1432ھ/05نومبر2011ء

کیا گھر کے متعدد افراد کی قربانیوں کے لیے ہر بکری کا معین ہونا ضروری ہے؟

فتویٰ 18

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ گھر کے پانچ افراد نے قربانی کرنی ہو اور وہ پانچ بکریاں خریدیں، تو کیا معیّن کرنا ضروری ہے کہ فلاں بکری فلاں کی طرف سے ہے یا صرف اتنی نیت بھی کافی ہے کہ یہ پانچ بکریاں ہم پانچ افراد کی طرف سے ہیں یعنی ہر ایک کی طرف سے ایک بکری، تو کیا اس نیت سے قربانی کریں، تو قربانی ہو جائے گی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں یہ معیّن کرنا ضروری نہیں کہ فلاں بکری فلاں کی طرف سے ہے، بلکہ صرف اتنی نیت ہی کافی ہے کہ یہ پانچ بکریاں اس طور پر ہم پانچ افراد کی طرف سے قربان کی جارہی ہیں کہ ہر فرد کی طرف سے ایک بکری ہے، لہٰذا پوچھی گئی صورت میں سب کی قربانیاں ہو جائیں گی۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: ”عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ رجل لہ تسعۃ من العیال وھو العاشر فضحی بعشر من الغنم عن نفسہ وعن عیالہ ولاینوی شاۃ بعینھا

لکن ینوی العشرۃ عنھم وعنہ جاز فی الاستحسان وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ کذا فی المحیط" ترجمہ: امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ سے روایت ہے کہ ایک شخص کے اہل و عیال کے نو افراد ہیں اور وہ خود دسواں ہے، تو اُس نے دس بکریاں اپنے اور اپنے اہل و عیال کی طرف سے قربان کیں اور معیّن طور پر نیت نہ کی (کہ فلاں بکری فلاں کی طرف سے ہے) لیکن یہ نیت کی کہ یہ دس بکریاں سب اہل و عیال اور اُس کی طرف سے ہیں، تو یہ قربانی استحساناً جائز ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کا بھی یہی قول ہے، اسی طرح محیط میں ہے۔ (فتاوی عالمگیری، ج5، ص371، مطبوعہ کراچی)

صدرالشریعۃ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "ایک شخص کے نو بال بچے ہیں اور ایک خود، اوس نے دس بکریوں کی قربانی کی اور یہ نیت نہیں کہ کس کی طرف سے کس بکری کی قربانی ہے، مگر یہ نیت ضرور ہے کہ دسوں بکریاں ہم دسوں کی طرف سے ہیں، یہ قربانی جائز ہے، سب کی قربانیاں ہو جائیں گی۔"

(بہار شریعت، ج3، حصہ15، ص349، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلَّم

کتبـــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

24ذوالحجۃ الحرام1440ھ /28جولائی2019ء

قربانی کے جانور میں عقیقہ کرنا کیسا اور عقیقے کے گوشت کا حکم؟

فتویٰ 19

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے بھائی کا بیٹا پیدا ہوا ہے، تو گھر والے کہہ رہے ہیں کہ اس کا عقیقہ بھی قربانی کے جانور میں حصہ

ڈال کر کر لیں گے، لیکن کچھ رشتہ دار کہہ رہے ہیں کہ قربانی کے جانور میں عقیقے کا حصہ نہیں رکھا جاسکتا، تو آپ شرعی رہنمائی فرمادیں کہ قربانی کے جانور میں عقیقے کا حصہ رکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز عقیقے کا گوشت والدین، دادادادی، نانانانی بھی کھاسکتے ہیں یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

قربانی کے جانور میں عقیقے کا حصہ رکھنا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ حصہ رکھنے میں افضل یہ ہے کہ لڑکے کے عقیقے کے لیے دو حصے اور لڑکی کے عقیقے کے لیے ایک حصہ رکھا جائے، اگر کسی نے لڑکے کے عقیقے کے لیے بھی ایک حصہ رکھا، جب بھی کوئی حرج نہیں۔ نیز عقیقے کے گوشت کے قربانی کی طرح تین حصے کرنا مستحب ہے، جو بچّے کے والدین، دادادادی، نانانانی، امیر غریب ہر کوئی کھاسکتا ہے۔

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے: ”ولو ارادوا القربة الاضحية او غيرها من القرب اجزأهم سواء كانت القربة واجبة او تطوعا او وجب على البعض دون البعض و سواء اتفقت جهة القربة او اختلفت ۔۔۔ كذلك ان اراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبله“ ترجمہ: (ایک جانور میں شریک) لوگوں نے (اس جانور میں) قربانی کی قربت کی نیت کی ہو یا قربانی کے علاوہ کسی اور قربت کی نیت ہو، تو یہ نیت کرنا ان کو کافی ہو جائے گا۔ چاہے وہ قربت واجبہ ہو یا نفلی قربت ہو یا بعض پر واجب ہو اور بعض پر واجب نہ ہو، چاہے قربت کی جہت ایک ہی ہو یا مختلف ہو۔۔۔ اسی طرح اگر (ایک جانور میں شریک) لوگوں میں سے بعض نے اِس سے پہلے پیدا ہونے والے بچے کے عقیقے کی نیت کی (تو بھی جائز ہے۔)

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الاضحیہ، جلد 4، صفحہ 166، مطبوعہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں: "عقیقہ کا گوشت آباء واجداد بھی کھا سکتے ہیں۔ مثلِ قربانی اس میں بھی تین حصے کرنا مستحب ہے۔" (فتاویٰ رضویہ، جلد 20، صفحہ 586، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ بہارِ شریعت میں فرماتے ہیں: "عوام میں یہ بہت مشہور ہے کہ عقیقہ کا گوشت بچہ کے ماں باپ اور دادا دادی، نانا نانی نہ کھائیں، یہ محض غلط ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔"

(بہارِ شریعت، حصہ 15، جلد 3، صفحہ 357، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

فتاویٰ امجدیہ میں فرماتے ہیں: "کتبِ فقہ میں مصرح (یعنی اس بات کی صراحت کی گئی ہے) کہ گائے یا اونٹ کی قربانی میں عقیقہ کی شرکت ہو سکتی ہے۔۔۔۔ تو جب قربانی میں عقیقہ کی شرکت جائز ہوئی، تو معلوم ہوا کہ گائے یا اونٹ کا ایک جزء عقیقہ میں ہو سکتا ہے اور شرع نے ان کے ساتویں حصہ کو ایک بکری کے قائم مقام رکھا ہے، لہٰذا لڑکے کے عقیقہ میں دو حصے ہونے چاہیے اور لڑکی کے لیے ایک حصہ یعنی ساتواں حصہ کافی ہے، تو ایک گائے میں سات لڑکیاں یا تین لڑکے اور ایک لڑکی کا عقیقہ ہو سکتا ہے۔ بعض عوام میں یہ مشہور ہے کہ عقیقہ کا گوشت والدین نہ کھائیں، غلط ہے۔ والدین بھی کھا سکتے ہیں اور غنی کو بھی کھلا سکتے ہیں۔" (فتاویٰ امجدیہ، جلد 3، صفحہ 302، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، کراچی)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

26 ذیقعدۃ الحرام 1439ھ / 09 اگست 2018ء

قربانی کے جانوروں کا بیان

کن جانوروں کی قربانی ہو سکتی ہے؟

فتویٰ 20

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ میں نے قربانی کے لیے ایک بکری خریدی ہے، جس کی عمر بھی ایک سال سے زیادہ ہے، لیکن میرے گھر والوں کا کہنا ہے کہ قربانی تو بکرے کی ہوتی ہے، بکری کی نہیں، آپ شرعی حوالے سے ارشاد فرمائیں کہ بکری کی قربانی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

بکری کی قربانی بالکل جائز ہے، شرعاً اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ شریعتِ مطہرہ نے قربانی کے جانوروں کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں، (1) بکری۔ (2) گائے۔ (3) اونٹ۔

فقہِ حنفی کی مشہور و معروف کتاب ہدایہ شریف میں ہے: ”والاضحیة من الابل والبقر والغنم، لانها عرفت شرعا ولم تنقل التضحیة بغیرها من النبی علیه الصلوة والسلام ولا من الصحابة رضی الله عنهم“ ترجمہ: اُضحیہ (یعنی قربانی کے جانوروں میں سے) اونٹ، گائے اور بکری ہیں، کیونکہ شرعاً یہی معروف ہیں اور ان جانوروں کے علاوہ کسی کی قربانی نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم اور صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُم سے ثابت نہیں۔

(ہدایہ، ج4، ص408، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْه فرماتے ہیں: ”قربانی

کے جانور تین قسم کے ہیں (1) اونٹ، (2) گائے، (3) بکری، ہر قسم میں اس کی جتنی نوعیں ہیں، سب داخل ہیں، نر اور مادہ، خصی اور غیر خصی، سب کا ایک حکم ہے یعنی سب کی قربانی ہو سکتی ہے۔ بھینس گائے میں شمار ہے، اس کی بھی قربانی ہو سکتی ہے، بھیڑ اور دنبہ، بکری میں داخل ہیں، ان کی بھی قربانی ہو سکتی ہے۔"

(بہار شریعت، حصہ 15، ج3، ص339، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلَّم

کتبـــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو حذیفہ محمد شفیق عطاری
27ذوالقعدہ1435ھ / 23ستمبر2014ء

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

بھینس کی قربانی کا حکم

فتویٰ 21

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ بھینس اور بھینسے کی قربانی کرنا کیسا؟

سائل: عبد الواحد عطاری (اٹک)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

دو سالہ بھینس اور بھینسے کی قربانی جائز ہے، کیونکہ یہ گائے کی ایک قسم ہے اور گائے کی قربانی احادیث میں مذکور ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ قربانی میں گائے سات افراد کی طرف سے کفایت کرتی ہے۔

چنانچہ سنن ابو داؤد میں حضرت جابر بن عبد اللہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے مروی ہے: "ان النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم قال: البقرۃ عن سبعۃ، والجزور عن سبعۃ" ترجمہ: حضور صَلَّی

اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ”(قربانی میں) گائے سات کی طرف سے اور اونٹ (بھی) سات کی طرف سے (کافی) ہے۔“ (سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب فی البقر والجزور عن کم تجزی، جلد2، صفحہ40، لاہور)

بھینس اور بھینسا گائے کی جنس میں داخل ہیں۔ علامہ علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 587ھ) بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں: ”اما جنسه، فهو ان يكون من الاجناس الثلاثة: الغنم او الابل او البقر، ويدخل فى كل جنس نوعه والذكر والانثى منه والخصى والفحل لانطلاق اسم الجنس على ذلك، والمعز نوع من الغنم، والجاموس نوع من البقر بدليل انه يضم ذلك الى الغنم والبقر فى باب الزكاة“ ترجمہ: بہر حال قربانی کے جانوروں کی جنس، تو اس کا ان تین جنسوں میں سے ہونا ضروری ہے: بکری، اونٹ یا گائے اور ہر جنس میں اُس کی نوع، نر اور مادہ، خصی اور غیر خصی سب شامل ہیں، کیونکہ جنس کا اطلاق اِن سب پر ہوتا ہے۔ بھیڑ، بکری کی اور بھینس، گائے کی ایک قسم ہے، اِس دلیل کی بناء پر کہ انہیں (یعنی بھیڑ اور بھینس کو) زکوۃ کے معاملے میں بکری اور گائے کے ساتھ شمار کیا جاتا ہے۔

(بدائع الصنائع، کتاب التضحیہ، فصل فی محل اقامۃ الواجب فی الاضحیہ، جلد4، صفحہ205، مطبوعہ کوئٹہ)

برہان الدین ابو الحسن علی بن ابو بکر المرغینانی علیہ رحمۃ اللہ الغنی (متوفی 593ھ) ہدایہ شریف میں فرماتے ہیں: ”(والاضحية من الابل والبقر والغنم)۔۔ويدخل فى البقر الجاموس، لانه من جنسه“ ترجمہ: (اونٹ، گائے اور بکری کی قربانی درست ہے)۔۔ اور گائے کے تحت بھینس بھی داخل ہے، کیونکہ وہ اِسی کی جنس میں سے ہے۔

(ہدایہ، کتاب الاضحیہ، جلد4، صفحہ449، مطبوعہ لاہور)

خاتم المحققین علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الحنفی علیہ رحمۃ اللہ

القوی (متوفی 1252ھ) رد المحتار میں فرماتے ہیں: "(و الجاموس) ھو نوع من البقر کما فی المغرب، فھو مثل البقر فی الزکاۃ والاضحیۃ والربا" ترجمہ: (اور بھینس) یہ گائے کی ایک قسم ہے جیسا کہ المُغرب میں ہے اور یہ زکوۃ، قربانی اور سود (کے معاملات) میں گائے ہی کی مثل ہے۔" (رد المحتار، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ البقر، جلد 3، صفحہ 241، مطبوعہ پشاور)

قربانی میں دو سالہ گائے اور بھینس کفایت کرے گی۔ چنانچہ علامہ عبد الرحمن بن محمد بن سلیمان کلیوبی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 1078ھ) مجمع الانہر میں فرماتے ہیں: "(وانما یجزیء فیھا) ای فی الاضحیۃ۔۔(الثنی فصاعدا من الجمیع) وھو ابن خمس من الابل وحولین من البقر والجاموس وحول من الشاۃ والمعز" ترجمہ: (بکری، گائے اور اونٹ کی قربانی میں دوندا یا اس سے زائد عمر والا جانور کفایت کرے گا) اور اُونٹ میں اس کی عمر پانچ سال ہے، گائے اور بھینس میں دو سال اور بکری اور بھیڑ میں ایک سال ہے۔"

(مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، کتاب الاضحیہ، جلد 4، صفحہ 171، مطبوعہ کوئٹہ)

سیدی اعلیٰ حضرت، امام اہلسنت مولانا الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن (متوفی 1340ھ) فتاوی رضویہ شریف میں فرماتے ہیں: "(ترجمہ): قربانی کے جانوروں کی ابتدائی تین قسمیں ہیں: (۱) شاۃ یا غنم، (۲) بقر، (۳) جمل۔ شاۃ کو پھر دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں: ضان اور معز اور بقر کی بھی دو قسمیں کرتے ہیں: بقر و جاموس۔ اس طرح اصل اور ذیلی قسموں کو ملا کر کل پانچ قسمیں ہوئیں: (۱) جمل (اونٹ)، (۲) بقر (گائے)، (۳) جاموس (بھینس)، (۴) ضان (دنبہ)، (۵) معز (بکری) اور مذکر و مؤنث دونوں کو شامل کر دیا جائے، تو کل دس ہوتی ہیں۔" (فتاوی رضویہ، جلد 20، صفحہ 383، 382، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ رحمۃ اللہ القوی فتاوی فیض

الرسول میں فرماتے ہیں: ”جاموس یعنی بھینس بھینسے کی قربانی حدیثوں سے ثابت ہے کہ جاموس بقر کی ایک قسم ہے اور بقر کی قربانی حدیثوں میں مذکور ہے۔“

(فتاوی فیض الرسول، جلد 2، صفحہ 449، شبیر برادرز، لاہور)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

25ذوالقعدۃالحرام1435ھ / 21 ستمبر2014ء

حاملہ جانور کی قربانی کا حکم

فتویٰ 22

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہماری دو گائیں ہیں، ہمارا بقر عید پر اُن میں سے ایک کو ذبح کرنے کا ارادہ ہے، لیکن اُن میں سے ایک عرصہ چار ماہ سے اور دوسری چند روز سے حاملہ ہے، اگر ہم اُن میں سے کسی کو ذبح کر دیں، تو قربانی ادا ہو جائے گی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

گابھن (حاملہ) جانور کی قربانی شرعاً ناپسند ہے، لیکن قربانی ہو جائے گی اور اگر صرف پندرہ بیس روز کا حمل ہے، تو کسی قسم کا مضائقہ نہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: ”شاۃ او بقرۃ اشرفت علی الولادۃ، قالوا: یکرہ ذبحھا“ ترجمہ: بکری یا گائے بچہ جننے کے قریب ہوں، تو فقہاء فرماتے ہیں کہ اس کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔“

(فتاوی عالمگیری، کتاب الذبائح، جلد 5، صفحہ 354، مطبوعہ کراچی)

سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن (متوفی 1340ھ) فتاویٰ رضویہ شریف میں فرماتے ہیں: ”گابھن کی قربانی، اگرچہ صحیح ہے، مگر ناپسند ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ، جلد 20، صفحہ 370، رضا فاونڈیشن، لاہور)

صاحبِ بہار شریعت، مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی (متوفی 1367ھ) فتاویٰ امجدیہ میں فرماتے ہیں: ”گابھن جانور کی بھی قربانی ہو سکتی ہے، مگر گابھن ہونا معلوم ہے، تو احتراز اولیٰ ہے اور اگر صرف پندرہ بیس روز کا گابھن ہے، تو اس میں کسی قسم کا مضائقہ نہیں۔“ (فتاویٰ امجدیہ، حصہ 3، صفحہ 328، مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

17 ذوالقعدۃ الحرام 1435ھ / 13 ستمبر 2014ء

جو بکرا دِکھنے میں ایک سال کا لگے اور عمر ایک سال نہ ہو، اس کی قربانی کا حکم

فتویٰ 23

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہماری بکری نے پچھلے سال محرم کے شروع میں بچہ دیا تھا، ابھی اس کی عمر ایک سال پوری تو نہیں ہوئی، لیکن اتنا تندرست ہو چکا ہے کہ دِکھنے میں سال سے زیادہ کا لگتا ہے، کیا اس بار اُس کی قربانی کر سکتے ہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں ایسے بکرے کی قربانی جائز نہیں، کیونکہ قربانی کے لیے اونٹ

کی عمر کم از کم پانچ سال، گائے بھینس کی دو سال اور بکرے بکری کی عمر ایک سال ہونا ضروری ہے، لہذا اگر کسی جانور کی عمر اس سے کم ہو، تو اس کی قربانی درست نہیں، سوائے دنبے یا بھیڑ کے چھ ماہہ بچے کے، اس میں بھی اتنا بڑا ہونا ضروری ہے کہ اگر سال والے جانوروں میں ملایا جائے، تو سال بھر کا لگے، تو اس کی قربانی جائز ہے، بہر حال بکرا بکری میں پورے ایک سال کا ہونا ضروری ہے، حتی کہ سال بھر سے ایک دن بھی کم ہو، تو شرعاً اس کی قربانی جائز نہیں۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے مروی ہے، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "لا تذبحوا الا مسنة، الا ان یعسر علیکم، فتذبحوا جذعة من الضان" ترجمہ: تم صرف مسنہ (یعنی ایک سال کی بکری، دو سال کی گائے اور پانچ سالہ اونٹ) کی قربانی کرو، ہاں اگر تم کو دشوار ہو، تو دنبے یا بھیڑ کا چھ ماہہ بچہ ذبح کر دو"۔

(صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب سن الاضحیہ، جلد 2، صفحہ 155، مطبوعہ کراچی)

لفظ مسنہ کے تحت علامہ شرف الدین نووی و علامہ علی القاری علیہما الرحمۃ فرماتے ہیں: " واللفظ للنووی: "قال العلماء: المسنة هی الثنیة من کل شئی من الابل والبقر والغنم فما فوقها" ترجمہ: علماء نے فرمایا: مسنہ سے مراد اونٹ، گائے اور بکری ہر ایک میں ثنی (دوندا) یا اس سے بڑا ہونا ہے۔"

(المنھاج شرح مسلم، کتاب الاضاحی، باب سن الاضحیہ، جلد 13، صفحہ 117، مطبوعہ بیروت)

ثنیہ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ کاسانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: " والثنی من الشاة والمعز ما تم له حول وطعن فی السنة الثانیة، ومن البقر ما تم له حولان وطعن فی السنة الثالثة، ومن الابل ما تم له خمس سنین وطعن فی السنة السادسة، وتقدیر

ھذہ الاسنان بما قلنا لمنع النقصان لا لمنع الزیادۃ، حتی لو ضحی باقل من ذلك سنا لا یجوز ولو ضحی باکثر من ذلك سنا یجوز ویکون افضل“ ترجمہ: بکری اور بھیڑ میں ثنی (دوندا) اسے کہتے ہیں، جس کی عمر ایک سال پوری ہو گئی ہو اور دوسرے میں داخل ہو چکی ہو، گائے میں وہ ہے جس کے دو سال پورے ہونے کے بعد تیسرے میں داخل ہو گئی ہو، یونہی وہ اونٹ جو پانچ سال کا ہونے کے بعد چھٹے میں لگ گیا ہو، ہمارا ان عمروں کو بیان کرنا اس سے کم عمر جانوروں کی قربانی کو منع کرنے کے لیے ہے، نہ کہ زیادہ عمر کی ممانعت کے لیے، حتیٰ کہ اگر کسی نے بیان کردہ سے کم عمر جانور کو قربان کیا، تو جائز نہیں اور اگر زیادہ عمر والے کی قربانی کی تو جائز، بلکہ افضل ہے۔“

(بدائع الصنائع، کتاب التضحیہ، محل اقامۃ الواجب، جلد4، صفحہ206، مطبوعہ کوئٹہ)

لہذا سال سے کم بکرے کی قربانی درست نہیں، برخلاف بھیڑ و دنبے کے۔ مبسوط سرخسی میں ہے:” ولا خلاف ان الجذع من المعز لا یجوز، وانما ذلك من الضان خاصۃ“ ترجمہ: اس میں اختلاف نہیں کہ بکری کا چھ ماہہ بچہ قربان کرنا، جائز نہیں، (چھ ماہہ بچے کی اجازت) بھیڑ یا دنبے میں ہی ہے“۔ (مبسوط للسرخسی، کتاب الاضحیہ، جلد12، صفحہ13، مطبوعہ کوئٹہ)

پھر بھیڑ یا دنبے میں بھی سال بھر کا دِکھنا ضروری ہے، چنانچہ محیط برہانی میں ہے:” الجذع من الضان اذا کان عظیما، ومعناہ انہ اذا اختلط مع الثنیان یظن الناظر الیہ انہ ثنی“ ترجمہ: بھیڑ، دنبے کا چھ ماہہ بچہ بڑا ہو، اس سے مراد یہ ہے کہ جب اسے سال بھر والوں کے ساتھ ملا دیا جائے، تو دیکھنے والا دوندا (سال بھر کا) ہی گمان کرے۔“

(محیط برہانی، کتاب الاضحیہ، فصل الخامس فی بیان ما یجوز فی الضحایا وما لا یجوز، جلد6، صفحہ478، مطبوعہ کوئٹہ)

فتاوی فیض الرسول میں ہے:”قربانی کے لئے بکرے کی عمر پورے ایک سال کی ہونا

ضروری ہے، اگر ایک دن بھی کم ہو گا، تو اس کی قربانی شرعاً جائز نہ ہو گی۔"

(فتاوی فیض الرسول، جلد2، صفحہ 459، شبیر برادرز، لاہور)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلَّم

کتبـــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

18شوال المکرم1437ھ /23جولائی2016ء

بیل کی عمر پوری ہو اور دانت نہ نکلے ہوں، تو قربانی کا حکم

فتویٰ 22

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایسا بیل جس کی عمر تو پوری ہو چکی ہو، لیکن ابھی تک اس کے سامنے والے بڑے دانت نہ نکلے ہوں، تو اس کی قربانی کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

ایسا بیل جس کی عمر اسلامی اعتبار سے دو سال مکمل ہو اور اس میں مانعِ قربانی کوئی بھی عیب نہ ہو، تو اس کی قربانی بلاشبہ جائز ہے، اگرچہ ابھی تک اس کے سامنے والے دو بڑے دانت نہ نکلے ہوں(جن کی وجہ سے جانور کو عرف میں "دوندا یعنی دو دانت والا" کہا جاتا ہے)، کیونکہ شریعت کی طرف سے قربانی کے جانوروں کی مقرر کردہ عمر کا پورا ہونا ضروری ہے، دانت نکلنا ضروری نہیں۔

صحیح مسلم میں ہے:" لاتذبحوا الا مسنة"ترجمہ: تم قربانی میں مسنہ ذبح کرو۔

(صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب سن الاضحیہ، ج2، ص155، مطبوعہ کراچی)

"مسنہ" کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں: "هي التثنية من کل شیء" ترجمہ: مسنہ اونٹ، گائے اور بکری میں سے "ثنی" کو کہتے ہیں۔

(عمدة القاری شرح صحیح البخاری، ج5، ص166، مطبوعہ ملتان)

اور "ثنی" کی وضاحت کرتے ہوئے تحفۃ الفقہاء میں ارشاد فرمایا: "ثم الثنی من الابل عند الفقهاء ابن خمس سنين ومن البقر ابن سنتين ومن الغنم ابن سنة" ترجمہ: **اور فقہاء کے نزدیک اونٹ میں سے ثنی وہ ہے جس کی عمر پانچ سال ہو اور گائے میں سے جس کی عمر دو سال ہو اور بکری میں سے جس کی عمر ایک سال ہو۔**

(تحفۃ الفقہاء، ج3، ص84، مطبوعہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قربانی کے جانور میں عمر کا پورا ہونا ضروری ہے، دانت نکلنا ضروری نہیں۔ چنانچہ مفتی جلال الدین امجدی علیہ رحمۃ القوی ارشاد فرماتے ہیں: "قربانی کے بکرے کی عمر سال بھر ہونا ضروری ہے، دانت نکلنا ضروری نہیں، لہذا بکرا اگر واقعی سال بھر کا ہے، تو اس کی قربانی جائز ہے، اگرچہ اس کے دانت نہ نکلے ہوں۔

(فتاوی فیض الرسول، ج2، ص456، مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور)

البتہ یہ یاد رہے کہ سامنے کے دو بڑے دانتوں کا نکلنا جانور کی عمر پوری ہونے کی علامت ہے، کیونکہ اونٹ کے پانچ سال بعد، گائے وغیرہ کے دو سال بعد اور بکری وغیرہ کے ایک سال کے بعد ہی دانت نکلتے ہیں، اس سے پہلے نہیں، لہذا اگر کسی جانور کے دانت نہ نکلے ہوں، تو خریدنے سے پہلے اچھی طرح تسلی کر لی جائے کہ اس کی عمر مکمل دو اسلامی سال ہے یا نہیں، اگر شک ہو تو ایسے جانور کو قربانی کے لیے نہ خریدا جائے، خصوصاً اس دور میں کہ جس میں جھوٹ بول کر جانور بیچنا عام ہو چکا ہے۔

اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ”سال بھر سے کم کی بکری عقیقے یا قربانی میں نہیں ہو سکتی، اگر مشکوک حالت ہے، تو وہ بھی ایسی ہی ہے کہ سال بھر کی نہ ہونا معلوم ہو ”لان عدم العلم بتحقق الشرط کعلم العدم“ کیونکہ شرط کے متحقق ہونے کا عدمِ علم اس کے عدمِ تحقق کے علم کی طرح ہے، خصوصاً بائع کا بیان کہ وہ اس سے زیادہ آگاہ ہے اور سال بھر سے کم کی ظاہر کرنے میں اس کا کوئی نفع نہیں، بلکہ اس کا عکس متوقع ہے کہ جب مشتری اپنے مطلب کی نہ جانے گا نہ لے گا۔“

اور فرماتے ہیں: ”جبکہ سال بھر کامل ہونے میں شک ہے، تو اس کا عقیقہ نہ کریں اور قصاب کا قول یہاں کافی نہیں کہ بکنے میں اس کا نفع ہے اور حالتِ ظاہر اس کی بات کو دفع کر رہی ہے۔“ (فتاوی رضویہ، ج20، ص584،583، مطبوعہ، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

08ذوالحجۃ الحرام1437ھ / 11 ستمبر 2016ء

قربانی میں 45ہزار کا ایک موٹا تازہ بکرا افضل ہے یا 45ہزار کے 3 بکرے کرنا افضل ہے؟

فتویٰ 25

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک بکرا جس کی قیمت 45ہزار روپے ہے اور 3 بکرے جن میں سے ہر ایک کی قیمت 15،15ہزار روپے ہے ان 3 بکروں کی مجموعی مالیت 45ہزار روپے بنتی ہے، جبکہ 45ہزار والا بکرا 15ہزار والے بکروں کی بنسبت موٹا، فربہ اور خوبصورت ہے۔

اس بارے میں سوال یہ ہے کہ ایک شخص کا اپنی طرف سے 45ہزار کے صرف ایک بکرے کی قربانی کرنا افضل ہے یا 45ہزار کے 3 بکروں کی قربانی کرنا افضل ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

شریعت مطہرہ میں قربانی کے جانور میں افضیلت کا مدار تعداد پر نہیں، بلکہ قیمت اور گوشت کے اعتبار سے اعلیٰ ہونے پر ہے یعنی اس کی قیمت اور گوشت دوسروں کی بنسبت مقدار میں زیادہ ہو، لہٰذا صورت مسؤلہ میں جس جانور کی قیمت 45ہزار ہے اور دوسروں کی بنسبت موٹا اور فربہ ہے، اس کی قربانی کرنا 15,15ہزار کے تین جانورں کی قربانی کرنے سے افضل ہے۔

کس طرح کے جانور کی قربانی کرنا افضل ہے اس بارے میں حدیث پاک میں ہے:"إن أفضل الضحایا أغلاها وأسنها"یعنی: قیمت اور گوشت کے اعتبار سے اعلیٰ جانور کی قربانی کرنا افضل ہے۔ (المستدرک للحاکم، ج4، ص257، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ عبد الرؤف المناوی اس حدیث مبارک کی شرح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:"(ان أفضل الضحایا أغلاها) أی ارفعها ثمنا (واسمنها) أکثرها شحما ولحما فالأسمن أفضل من العدد"یعنی: اغلاها کا مطلب یہ ہے کہ قیمت کے اعتبار سے زیادہ ہو اور اسمنہا کا مطلب یہ ہے کہ گوشت اور چربی کے اعتبار سے زیادہ ہو اور موٹا اور فربہ ہونا تعداد سے افضل ہے۔ (التیسیر بشرح الجامع الصغیر، ج1، ص312، مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض)

امام نووی علیہ الرحمۃ شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں:"فإن التضحیة بشاة سمینة أفضل من التضحیة بشاتین دونها فی السمن"یعنی: ایک موٹی اور فربہ بکری کی قربانی

کرنا ان دو بکریوں کی قربانی سے افضل ہے، جو اس سے موٹے اور فربہ ہونے میں کم ہو۔

(شرح النووی علی مسلم، ج2، ص79، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

ایک جانور جو دو جانوروں کی بنسبت اعلیٰ ہو اس کی قربانی کے افضل ہونے کے بارے میں محیط البرہانی میں ہے: ”شراء الأضحية بثلاثين درهماً شاتان أفضل من شراء واحدة قال: وشراء الواحدة بعشرين أفضل من شراء شاتين بعشرين لأن بثلاثين درهماً توجد شاتان على ما يجب من كمال الاضحية في السن والكبر، ولا يوجد بعشرين كذلك حتى لو وجد كان شراء الشاتين أفضل، ولو لم يوجد بثلاثين كذلك كان شراء الواحدة أفضل“ یعنی: قربانی کے لیے دو بکریاں تیس درہم کی خریدنا ایک بکری خریدنے سے افضل ہے اور کہا کہ بیس درہم کی ایک بکری خریدنا، بیس درہم کی دو بکریاں خریدنے سے افضل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تیس درہم والی دو بکریوں سے عمر اور بڑے ہونے کی وجہ سے قربانی کی ادائیگی کمال طریقے سے ہو گی بنسبت بیس درہم والی ان دو بکریوں سے جو ان صفات پر نہیں۔ یہاں تک کہ مذکورہ صفات اگر بیس درہم والی ان دو بکریوں میں پائی جائیں تو یہ افضل ہو جائیں گی اور اگر مذکورہ صفات تیس درہم والی بکریوں میں بھی نہ پائی جائیں تو بیس درہم والی ایک بکری کی قربانی کرنا افضل ہو گا۔

(المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی، ج6، ص94، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

30 ذیقعدہ 1438ھ / 23 اگست 2017ء

غنی نے قربانی کے لیے جانور خریدا اور وہ مر گیا، تو اب کم قیمت والے کی قربانی کر سکتا ہے؟

فتویٰ 26

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مالدار، غنی شخص نے قربانی کا جانور خریدا اور وہ قربانی سے پہلے مر گیا، تو کیا نیا جانور اتنی ہی قیمت کا لینا ضروری ہے یا پھر کم قیمت کا بھی لے سکتا ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔ سائل: فیصل عطاری (صدر کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں اس غنی شخص کو اختیار ہے کہ جو بھی قربانی کے قابل جانور ہو، اسے قربان کر سکتا ہے۔ پہلے جانور کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ یا کم قیمت والا لینا، سب کی اجازت ہے، کیونکہ جانور مر جانے کی صورت میں دوسرے کم قیمت والے جانور کی قربانی کرنے سے پہلے جانور سے کسی قسم کے منافع حاصل نہیں کیے جا رہے اور جب کسی قسم کے منافع حاصل نہیں کیے جا رہے، تو اب کم قیمت والے جانور کی قربانی میں بھی کوئی حرج نہیں، ہاں قربانی کے لیے خریدنے کے بعد غنی شخص اگر جانور بدلنا چاہے، تو حکم یہی ہے کہ اس جانور سے اعلیٰ جانور سے بدلنے کی اجازت ہے، پہلے جانور کی مثل یا اس سے کم قیمت والے سے بدلنے کی اجازت نہیں، مگر مر جانے کی صورت میں یہ حکم نہیں ہے، بلکہ فقہائے کرام مطلقاً فرماتے ہیں کہ دوسرا کوئی جانور قربان کرے اور اپنا واجب ادا کرے، البتہ بہتر یہ ہے کہ اچھا، فربہ جانور ذبح کیا جائے۔

یاد رہے کہ یہ مسئلہ غنی کے پہلے جانور کے مر جانے کی صورت میں ہے، البتہ چوری یا گم ہونے اور ایام قربانی تک اسے دوبارہ مل جانے کی صورت میں مسئلہ جدا ہے۔

چنانچہ ہدایہ شریف میں ہے: ”قالوا إذا ماتت المشتراة للتضحية على الموسر مكانها أخرى ولا شیء على الفقير“ یعنی فقہاء کرام رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِم فرماتے ہیں کہ جب قربانی کے لیے خریدی گئی بکری مر گئی ہو تو خوشحال، غنی پر دوسری بکری کرنا لازم ہے، جبکہ فقیر پر کچھ لازم نہیں۔ (الہدایہ، کتاب الاضحیہ، جلد4، صفحہ407، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس کی شرح بنایہ میں ہے: ”إذا ماتت المشتراة للتضحية على الموسر مكانها أخرى أي قال المشائخ رَحِمَهُمُ اللهُ إذا ماتت الشاة المشتراة لأن التضحية على الغني مكان هذه شاة أخرى ولا شیء على الفقير يعني إذا ماتت المشتراة لأنها كانت متعينة وماتت كما ذكرنا“ ترجمہ: قربانی کے لیے خریدی ہوئی بکری جب مر جائے، تو غنی پر دوسری بکری کی قربانی کرنا لازم ہے۔ یعنی مشائخ کرام رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِم نے فرمایا ہے کہ جب قربانی کے لیے خریدی ہوئی بکری مر جائے، (تو یہ حکم ہے) کیونکہ غنی پر اس کی جگہ دوسری کرنا لازم ہے اور فقیر پر کچھ بھی نہیں ہے یعنی جب فقیر کی قربانی کے لیے خریدی ہوئی بکری مر جائے، (تو اس پر کچھ لازم نہیں ہے) کیونکہ فقیر کے لیے وہی معین تھی اور وہ مر گئی ہے۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ (البنایہ، کتاب الاضحیہ، جلد12، صفحہ43،44، مطبوعہ کوئٹہ)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ بہار شریعت میں فرماتے ہیں: **”قربانی کا جانور مر گیا، تو غنی پر لازم ہے کہ دوسرے جانور کی قربانی کرے** اور فقیر کے ذمہ دوسرا جانور واجب نہیں اور اگر قربانی کا جانور گم ہو گیا یا چوری ہو گیا اور اوس کی جگہ دوسرا جانور خرید لیا، اب وہ مل گیا، تو غنی کو اختیار ہے کہ دونوں میں جس ایک کو چاہے قربانی کرے اور فقیر پر واجب ہے کہ دونوں کی قربانیاں کرے۔ مگر غنی نے اگر پہلے جانور کی قربانی کی تو اگرچہ اس کی قیمت دوسرے سے کم ہو کوئی حرج نہیں اور اگر دوسرے کی قربانی کی اور

اس کی قیمت پہلے سے کم ہے، تو جتنی کمی ہے اوتنی رقم صدقہ کرے، ہاں اگر پہلے کو بھی قربان کر دیا، تو اب وہ تصدق واجب نہ رہا۔" (بہار شریعت، جلد 3، صفحہ 342، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو حذیفہ محمد شفیق عطاری
01ذوالحجۃ الحرام 1441ھ / 22جولائی 2020ء

قربانی کا جانور خرید کر پھر بیچنا کیسا؟

فتویٰ 27

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہم قربانی کے لیے جانور خرید کر اپنے علاقے میں لائے، تو وہ ایک آدمی کو پسند آگیا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ جانور مجھے بیچ دو اور آپ اپنے لیے دوسرا جانور خرید لو اور اس آدمی کو جانور بیچنے سے ہمیں نفع بھی مل رہا ہے، کیا ہم وہ جانور اسے بیچ سکتے ہیں؟

نوٹ: وہ جانور غنی نے قربانی کے لیے خریدا تھا۔

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

غنی نے قربانی کی نیت سے جو جانور خریدا اگر وہ اسے بیچتا ہے اور اس کی قیمت میں سے کچھ رقم کم کرکے بقیہ کا دوسرا جانور خریدے، تو بیچنا ناجائز ہے اور یہ گنہگار ہوا، اس پر توبہ لازم ہے اور بچائی ہوئی رقم صدقہ کر دے اور اگر اسے بیچ کر اس کی مثل دوسرا جانور لانا چاہتا ہے، تو بھی بیچنا مکروہ تحریمی و گناہ ہے، ہاں اگر اس سے بہتر جانور لانا چاہتا ہے، تو بیچنا جائز ہے۔

جب جانور خریدتے وقت دوسروں کو شریک کرنے کی نیت نہ ہو، تو اس کے حصے بیچنے سے متعلق درمختار مع ردالمحتار میں ہے: ”ان نوی وقت الشراء الاشتراك صح استحساناً و الا لا استحساناً وفی الهدایه :و الاحسن ان یفعل ذلك قبل الشراء لیکون ابعد عن الخلاف و عن صورة الرجوع فی القربة ۔و فی الخانیة :ولو لم ینو عند الشراء ثم اشرکهم فقد کرهه ابوحنیفة“ ترجمہ: اگر جانور خریدتے وقت دوسروں کو شریک کرنے کی نیت کی، تو استحساناً صحیح ہے، ورنہ شریک کرنا استحساناً صحیح نہیں ہے اور ہدایہ میں ہے: بہتر یہ ہے کہ خریدنے سے پہلے یہ (دوسروں کو شریک کرنے کا عمل) کرلے تاکہ اختلاف اور قربت میں رجوع کرنے کی صورت سے بچ جائے“ اور خانیہ میں ہے: اگر اس نے خریداری کے وقت نیت نہیں کی، پھر دوسروں کو شریک کیا، تو امام اعظم علیہ الرحمۃ نے اسے مکروہ کہا ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الاضحیہ، جلد9، صفحہ527، مطبوعہ کوئٹہ)

قربانی کی نیت سے خریدا ہوا جانور بدلنے سے متعلق جدالممتار میں ہے: ”اقول: تقدم فیما اذا ضلت فشری اخری فوجد الاولی فذبح الثانیة و هی اقل قیمة من الاولی تصدق بالفضل ،و ذلك لانها و ان لم تتعین فی حق الغنی الغیر الناذر لکنه لما شراها للاضحیة فقد نوی اقامة القربة بها ،فاذا ابدلها بما دونها کان رجوعاً عن بعض ما نوی فامر بالتصدق ،و قد مر فی الشرح بلفظ : (ضمن الزائد) و فی حاشیة عن البدائع بلفظ: (علیه ان یتصدق بافضلها) ۔۔۔و قال فی الهدایة و التبیین : (انها تعینت للاضحیة حتی وجب ان یضحی بها بعینها فی ایام النحر ،و یکره ان یبدل بها غیرها)قال فی العنایة :(بعینها فی ایام النحر فیما اذا کان المضحی فقیراً و یکره ان یبدل اذا کان غنیا)و مطلق الکراهة التحریم بل زاد سعدی افندی بعد قوله : ”اذا کان غنیا

" (ولکن یجوز استبدالھا بخیر منھا عند ابی حنیفۃ و محمد رحمھما اللہ تعالٰی) خصھما لانھا عند ابی یوسف کالوقف ، فدل علی ان الاستبدال بغیر الخیر لایجوز۔

وقال فی العنایۃ (لو اشتری اضحیۃ ثم باعھا و اشتری مثلھا لم یکن بہ بأس) فافھم ان لو کانت ادون منھا کان بہ بأس، ولا بأس فی المکروہ تنزیھا فیکرہ تحریما بل قال علیہ سعدی افندی : (اقول : فیہ بحث) ای : فی المثل ایضاً بأس بل یشترط للجواز الخیرۃ کما قدمنا عنہ "ترجمہ: میں کہتا ہوں: پہلے جو مسئلہ گزرا کہ جب قربانی کا جانور گم ہو گیا اور مالک نے دوسرا جانور خرید لیا اور پھر پہلا مل گیا اور اس نے دوسرا جانور ،جو پہلے سے کم قیمت کا ہے، ذبح کر دیا، تو وہ شخص (پہلے جانور کی دوسرے سے) زائد قیمت صدقہ کر دے اور یہ حکم اس لیے ہے کہ اگرچہ پہلا جانور جس غنی نے نذر نہ مانی ہو،اس کے حق میں متعین نہیں ہوا تھا، لیکن جب اس نے قربانی کے لیے جانور خریدا ،تو اس جانور کے ذریعے اس نے قربت قائم کرنے کی نیت کر لی اور جب وہ اس سے کم تر کے ساتھ بدلے گا ،تو یہ (بدلنا)اس کے بعض سے رجوع کرنا ہو گا ، جس میں اس نے (قربت کی)نیت کی تھی ،لہٰذا اسے صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا اور شرح میں ان الفاظ کے ساتھ گزرا ہے کہ وہ زائد کا ضامن ہے اور حاشیہ میں بدائع کے حوالے سے یہ الفاظ ہیں کہ اس پر لازم ہے ،وہ دونوں کے درمیان جو زیادتی ہے ،اس کو صدقہ کرے۔ ہدایہ اور تبیین میں فرمایا:(جو جانور پہلے خریدا تھا)وہ قربانی کے لیے معین ہو گیا حتی کہ اس پر واجب ہے کہ قربانی کے دنوں میں بعینہ اسی جانور کی قربانی کرے اور اس کو دوسرے جانور سے بدلنا مکروہ ہے۔ عنایہ میں فرمایا: اگر قربانی کرنے والا شخص فقیر ہے ،تو قربانی کے دنوں میں بعینہ اسی جانور کی قربانی کرے اور اگر غنی ہے، تو اس کے لیے جانور بدلنا مکروہ ہے اور

مطلق مکروہ، مکروہ تحریمی ہوتا ہے۔ بلکہ سعدی آفندی علیہ الرحمۃ نے صاحب عنایہ کے قول: ”اذا کان غنیا“ کے بعد یہ زائد کیا۔ ” لیکن امام اعظم و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک قربانی کے لیے خریدے ہوئے، جانور کو اس سے بہتر سے بدلنا جائز ہے۔“ تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بہتر کے علاوہ سے بدلنا جائز نہیں اور سعدی آفندی نے (بہتر سے بدلنے کے جواز کو) ان دونوں (یعنی امام ابو حنیفہ اور امام محمد) کے ساتھ خاص اس لیے کیا، کیونکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک قربانی کا جانور وقف کی طرح ہے۔

اور عنایہ میں فرمایا: اگر قربانی کا جانور خریدا، پھر اسے بیچ دیا اور اس کی مثل خریدا، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ تو تم اس بات کو سمجھو کہ اگر دوسرا جانور پہلے سے کم تر ہو، تو اس میں حرج ہے اور (حرج ہونا قرار دینے کا مطلب ہوا کہ یہ مکروہ تحریمی ہوگا کیونکہ) مکروہ تنزیہی میں کوئی حرج نہیں ہوتا، لہذا (حرج قرار دینے کا مطلب ہوا کہ دوسرے کا پہلے سے کم تر ہونا) مکروہ تحریمی ہے، بلکہ سعدی آفندی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: میں کہتا ہوں: اس مسئلے میں بھی بحث ہے یعنی دوسرے جانور کا پہلے کی مثل ہونے میں بھی حرج ہے، بلکہ (جانور بدلنے) کے جواز کے لیے (دوسرے کا) بہتر ہونا شرط ہے، جیسا کہ ہم ان کے حوالے سے پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ (جد الممتار، کتاب الاضحیۃ، جلد6، صفحہ 459، 460، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

قربانی کے لیے خریدی ہوئی گائے کسی کو دے کر دوسرا جانور قربان کرنے سے متعلق فتاوی رضویہ میں ہے: ”وہ گائے کہ بہ نیتِ قربانی خریدی، اس کا دوسری گائے سے بدلنا بھی منع ہے کہ اللہ کے واسطے اس کی نیت کر کے پھرنا معیوب ہے۔“

(فتاوی رضویہ، جلد14، صفحہ 577، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلَّم

کتبــــــــــــہ
مفتی محمد قاسم عطاری
26ذیقعدۃالحرام1440ھ /30جولائی2019ء

کیا قربانی کی نیت سے پالا ہوا بکرا بیچ سکتے ہیں؟

فتویٰ 28

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے بھائی صاحب نصاب نہیں ہیں، لیکن ان کے پاس ایک بکرا ہے۔ انہوں نے نیت یہ کی تھی کہ اس سال اس بکرے کی قربانی کروں گا، لیکن اب وہ اس بکرے کو بیچنا چاہتے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس نیت کی وجہ سے ان پر قربانی لازم ہو چکی ہے یا نہیں اور ان کا اب اس بکرے کو بیچنا کیسا؟

نوٹ: سائل نے وضاحت کی کہ ان کے بھائی نے وہ بکرا خریدا نہیں تھا، بلکہ وہ بکرا گھر کا ہی ہے، جس پر انہوں نے قربانی کی نیت کی تھی اور قربانی کی کوئی منت بھی نہیں مانی تھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں آپ کے بھائی شرعاً اس بکرے کو بیچ سکتے ہیں، کیونکہ جو شخص صاحب نصاب نہ ہو (یعنی اس کے پاس سونا چاندی، روپیہ پیسہ یا حاجت اصلیہ سے زائد سامان یا یہ سب مل کر اتنے نہ ہوں کہ جن کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر بنے)، تو اس پر قربانی واجب نہیں ہوتی اور ایسا شخص اگر کسی جانور کا پہلے سے مالک ہو اور اس پر قربانی کی نیت کر لے، تو فقط اس نیت کی وجہ سے اس پر قربانی واجب نہیں ہو جاتی، لہٰذا اس بکرے کو بیچ سکتے ہیں۔ البتہ آپ کے بھائی کی نیت بہت اچھی ہے، ممکنہ صورت میں انہیں اس نیت کو پورا

کرنا چاہیے، کہ اپنی اچھی نیت کو پورا کرنا صدقِ نیت کہلاتا ہے اور یہ صحابہ کرام اور صدیقین کا طریقہ ہے۔

فقیر اگر اپنے پاس موجود جانور کو قربان کرنے کی نیت کر لے، تو اس وجہ سے اس پر قربانی واجب نہیں ہوتی۔ چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے: "ولو کان فی ملك انسان شاۃ، فنوی ان یضحی بھا او اشتری شاۃ ولم ینو الاضحیۃ وقت الشراء، ثم نوی بعد ذلك ان یضحی بھا لا یجب علیه سواء کان غنیا او فقیرا، لان النیة لم تقارن الشراء فلا تعتبر" ترجمہ: اگر کسی شخص کی ملکیت میں بکری تھی اور اس نے اسے قربان کرنے کی نیت کر لی یا بکری خریدی اور خریدتے وقت قربانی کی نیت نہیں تھی، پھر بعد میں قربانی کی نیت کر لی، تو اس پر قربانی واجب نہیں ہو گی، برابر ہے کہ وہ شخص غنی ہو یا فقیر، کیونکہ نیت خریداری کے وقت نہیں تھی، لہذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

(بدائع الصنائع، کتاب التضحیہ، ما یجب علی الغنی دون الفقیر، ج4، ص193، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی بارے میں اعلیٰ حضرت رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه ارشاد فرماتے ہیں: "فقیر اگر بہ نیتِ قربانی خریدے، اس پر خاص اس جانور کی قربانی واجب ہو جاتی ہے۔ **اگر جانور اس کی ملک میں تھا اور قربانی کی نیت کر لی یا خریدا، مگر خریدتے وقت نیت قربانی نہ تھی، تو اس پر وجوب نہ ہو گا۔**"

(فتاوی رضویہ، ج20، ص451، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اور صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْه ارشاد فرماتے ہیں: "بکری کا مالک تھا اور اس کی قربانی کی نیت کر لی یا خریدنے کے وقت قربانی کی نیت نہ تھی، بعد میں نیت کر لی، تو اس نیت سے قربانی واجب نہیں ہو گی۔"

(بہارِ شریعت، ج3، ص332، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

29ذیقعدۃ الحرام1439ھ/12اگست2018ء

جانور کی حفاظت کی اجرت میں اسی جانور سے حصہ دینا کیسا؟

فتویٰ 29

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ زید نے قربانی کے لیے دو بیل خریدے، اس کی نیت یہی تھی کہ وہ خود ان کی دیکھ بھال کرے گا، لیکن فی الحال زید کی کچھ مصروفیت ایسی بن گئی ہے کہ اس کے لیے بیلوں کی دیکھ بھال کرنا کافی مشکل ہے، اب زید عمرو کو اس طور پر بیل دینا چاہتا ہے کہ چارے وغیرہ کے مکمل اخراجات زید ادا کرے گا اور دیکھ بھال کرنے کے بدلے رقم کی بجائے عمرو کو ایک معین بیل میں سے قربانی کے لیے ایک حصہ دے دے گا۔ اس طرح کرنے سے زید کو بھی فائدہ ہو جائے گا کہ اس کی مشکل دور ہو جائے گی اور عمرو کو بھی کہ اسے الگ سے کسی جگہ حصہ ڈالنے کی مشقت برداشت نہیں کرنی پڑے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ زید کا عمرو کے ساتھ اس طرح کا معاہدہ کرنا درست ہے یا نہیں، اگر درست نہیں، تو اس کا درست طریقہ کار کیا ہو گا، کیونکہ زید کو ان بیلوں کی دیکھ بھال کرنے میں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے؟

نوٹ: زید صاحبِ نصاب ہے، ہر سال قربانی کے لیے بیل خریدتا ہے اور بیل خریدتے وقت اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ کچھ حصے خود رکھ لوں گا اور کچھ حصے فروخت کر دوں گا۔ اس سال بھی قربانی کے لیے بیل خریدتے وقت یہ نیت تھی کہ دونوں بیلوں میں سے دو دو حصے خود رکھوں گا اور پانچ پانچ حصے بیچ دوں گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں زید اور عمرو کا یوں معاہدہ کرنا کہ عمرو کو بیلوں کی دیکھ بھال کرنے کے بدلے رقم کی بجائے انہی بیلوں میں سے قربانی کے لیے ایک حصہ دیا جائے گا، یہ شرعاً جائز نہیں، کیونکہ یہ قفیز طحان (اجیر نے جو کام کیا ہے، اسی میں سے اس کو اجرت دینا) ہے اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

السنن الکبریٰ للبیہقی، سنن دار قطنی اور مسند ابی یعلی میں حضرت ابو سعید خدری رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے مروی، وہ فرماتے ہیں: ”نهى عن عسب الفحل وعن قفيز الطحان“ ترجمہ: حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے گھوڑے کی جفتی کی اجرت اور قفیز طحان سے منع فرمایا ہے۔

(مسند ابی یعلی، من مسند ابی سعید الخدری، ج2، ص301، مطبوعہ دار المامون، دمشق)

عمدۃ القاری میں قفیز طحان کی تفسیر یوں بیان کی گئی ہے: ”وتفسير قفيز الطحان: ان يستاجر ثورا ليطحن له حنطة بقفيز من دقيقه وكذا اذا استاجر ان يعصر له سمسما بمن من دهنه او استاجر امراة لغزل هذا القطن او هذا الصوف برطل من الغزل۔۔۔ وكل ذلك لا يجوز“ قفیز طحان کا مطلب یہ ہے کہ کسی نے گندم پیسنے کے لیے بیل کرائے پہ لیا اس طور پر کہ اسی آٹے میں سے ایک قفیز اجرت دی جائے گی۔ اسی طرح تل کا تیل نکالنے کے لیے بیل کرائے پر لیا اس طور پر کہ اسی تیل میں سے ایک مَن اجرت دی جائے یا کسی عورت کو روئی یا اون کاتنے پر اجیر رکھا اس طور پر کہ اسی میں سے ایک رطل کی مقدار اجرت دی جائے گی، تو یہ تمام اجارے ناجائز ہیں۔

(عمدۃ القاری، کتاب المزارعۃ، باب المزارعۃ بالشطر ونحوہ، ج12، ص166، مطبوعہ دار احیاء التراث، بیروت)

اور صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ ارشاد فرماتے ہیں:"اجارہ پر کام کرایا گیا اور یہ قرار پایا کہ اسی میں سے اتنا تم اجرت میں لے لینا، یہ اجارہ فاسد ہے مثلاً کپڑا بننے کے لیے سوت دیا اور یہ کہہ دیا کہ آدھا کپڑا اجرت میں لے لینا یا غلہ اٹھا کر لاؤ، اس میں سے دو سیر مزدوری لے لینا یا چکی چلانے کے لیے بیل لیے اور جو آٹا پیسا جائے گا، اس میں سے اتنا اجرت میں دیا جائے گا، یونہی بھاڑ میں چنے وغیرہ بھنواتے ہیں اور یہ ٹھہرا کہ ان میں سے اتنے بھنائی میں دیے جائیں گے، یہ سب صورتیں ناجائز ہیں۔"

(بہار شریعت، ج3، ص149 تا150، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اس کے جواز کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ زید بیلوں کی دیکھ بھال کرنے کے بدلے میں عمرو کو بطورِ اجرت انہی بیلوں میں سے ایک حصہ نہ دے، بلکہ عمرو کے ساتھ کچھ رقم بطورِ اجرت طے کرلے مثلاً عمرو سے یوں کہے کہ تم اتنے دنوں تک بیلوں کی دیکھ بھال کرو، اس کے بدلے میں تمہیں اتنی اجرت دی جائے گی، عمرو اسے قبول کرے اور اسی اجرت کے بدلے میں بیلوں کی دیکھ بھال کرتا رہے، پھر جب مقررہ مدت پوری ہو جائے، تو زید سے طے شدہ اجرت لے لے یا اگر دونوں چاہیں، تو باہمی رضامندی سے اس کے بدلے میں انہی بیلوں میں سے ایک حصہ کی قربانی کے لیے خرید و فروخت کرلیں ، لیکن بعد میں یوں کرنا پہلے سے طے نہ ہو، بلکہ طے صرف اجرت ہی کی جائے۔

اجرت پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کے بدلے میں کوئی چیز خریدنا، جائز ہے۔ چنانچہ محیطِ برہانی میں ہے:"استاجر الرجل دارا شھورا مسماۃ باجر معلوم، ثم اراد رب الدار ان یشتری من المستاجر بالاجر شیئا قبل القبض جاز"ترجمہ: ایک شخص نے معین اجرت کے بدلے میں چند مخصوص ماہ کے لیے گھر کرائے پہ لیا، پھر مالک مکان نے کرائے

کے بدلے میں کرایہ دار سے کوئی چیز خریدنے کا ارادہ کیا، تو یہ جائز ہے۔

(محیط برھانی، کتاب الاجارات، الفصل الرابع والثلاثون، ج9، ص380، مطبوعہ کوئٹہ)

نوٹ: یہ بات یاد رہے کہ یہاں زید کو ان بیلوں میں سے کوئی حصہ قربانی کے لیے فروخت کرنے کی اجازت سوال میں بیان کردہ وضاحت کے پیشِ نظر دی گئی ہے، ورنہ اگر قربانی کے لیے بڑا جانور خریدنے والا صاحبِ نصاب نہ ہو، یا صاحبِ نصاب تو ہو، لیکن اس نے پورا جانور خود قربانی کرنے کے لیے خریدا، تو پھر اس جانور میں سے کوئی حصہ دوسرے کو قربانی کے لیے بیچنے کے احکام جدا ہیں۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

19ذوالقعدۃ الحرام1440ھ / 23جولائی2019ء

ہرن کی قربانی کرنا کیسا؟

فتویٰ 30

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے گھر میں ہرن پالی ہوئی ہے، اس کی قربانی ہو سکتی ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

قربانی صرف گھریلو پالتو جانوروں کی جائز ہے، اس کے علاوہ وحشی جانور جیسے ہرن، جنگلی گائے، بیل اور نیل گائے وغیرہ کی قربانی جائز نہیں، اگرچہ ان کو کسی نے گھر میں پال رکھا ہو۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: ”لا یجوز فی الأضاحی شئ من الوحشی فإن کان متولداً من الوحشی و الأنسی فالعبرۃ للأم فإن کانت أھلیۃ تجوز و إلا فلا، حتی لو کانت البقرۃ وحشیۃ و الثور أھلیاً لم تجز“ وحشی جانوروں میں سے کسی کی قربانی جائز نہیں، اگر کوئی جانور وحشی اور گھریلو جانور کے ملنے سے پیدا ہوا ہے، تو اعتبار مادہ جانور کا ہے، اگر مادہ گھریلو ہے، تو قربانی جائز ہے، ورنہ نہیں، حتی کہ اگر گائے جنگلی ہو اور بیل گھریلو ہو، تو ان سے پیدا ہونے والے جانور کی قربانی جائز نہیں۔ (فتاوی عالمگیری، ج5، ص367، مطبوعہ کراچی)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: ”وحشی جانور جیسے نیل گائے اور ہرن ان کی قربانی نہیں ہو سکتی، وحشی اور گھریلو جانور سے مل کر بچہ پیدا ہوا مثلاً ہرن اور بکری سے اس میں ماں کا اعتبار ہے یعنی اس بچہ کی ماں بکری ہے، تو جائز ہے اور بکرے اور ہرنی سے پیدا ہے، تو نا جائز۔“

(بہار شریعت، جلد3، حصہ 15، ص340، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــہ	الجواب صحیح
المتخصص فی الفقہ الاسلامی	مفتی محمد قاسم عطاری
محمد نوید چشتی	
14 جمادی الثانی 1437ھ / 24 مارچ 2016ء	

قربانی کے جانوروں میں عیوب

بکرے کے پیدائشی سینگ نہ ہوں، تو قربانی کا حکم

فتویٰ 31

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ میرے

پاس ایک گھر کا پالا ہوا بکرا ہے۔ جب وہ پیدا ہوا تھا، تو اسی وقت یہ نیت تھی کہ اس کی قربانی کروں گا۔ ابھی وہ تقریباً آٹھ ماہ کا ہو چکا ہے اور بڑی عید تک ایک سال سے زیادہ عرصے کا ہو جائے گا، لیکن ابھی تک اس کے سینگ نہیں نکلے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی جگہ کسی اور کی قربانی کر دیں، کیونکہ اس کے سینگ نہیں نکلے۔ براہِ کرم شرعی رہنمائی فرمائیں کہ جس بکرے کے سینگ نہ ہوں کیا اس کی قربانی نہیں ہوتی؟ اگر نہیں ہوتی تب بھی بتادیں، تاکہ میں اس کی جگہ کسی اور بکرے کی قربانی کر لوں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

جس بکرے کے پیدائشی سینگ نہ ہوں، اس کی قربانی بلاشبہ جائز ہے، جبکہ اس میں قربانی کی دیگر شرائط موجود ہوں۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب الھدایہ میں ہے: "ویجوز ان یضحی بالجماء وھی التی لا قرن لھا، لان القرن لایتعلق بہ مقصود" ترجمہ: جماء کی قربانی جائز ہے اور جماء ایسا جانور کہلاتا ہے، جس کے سینگ نہ ہوں، کیونکہ سینگوں کے ساتھ مقصود کا تعلق نہیں ہوتا۔

(الھدایہ، کتاب الاضحیہ، ج4، ص448، مطبوعہ لاہور)

اور صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحۡمَةُ اللّٰهِ عَلَيۡه ارشاد فرماتے ہیں: "جس کے پیدائشی سینگ نہ ہوں، اس کی قربانی جائز ہے۔" (بہارِ شریعت، ج3، ص340، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُهٗ اَعۡلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

06 ربیع الاول 1440ھ / 15 نومبر 2018ء

گائے کا ایک تھن خشک ہو جائے، تو قربانی کا حکم

فتویٰ 32

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایسی گائے جس کا ایک تھن خشک ہو جائے اور اس میں سے دودھ نہ آئے، لیکن بقیہ تین تھنوں سے دودھ آتا ہو، اس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟ سائل: حافظ حمزہ عطاری (آزاد کشمیر)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

ایسی گائے، بھینس جس کا ایک تھن خشک ہو جائے، بقیہ تین تھن ٹھیک ہوں، تو (دیگر شرائط کی موجودگی میں) اس کی قربانی جائز ہے، لیکن بہتر نہیں، کیونکہ قربانی کے لیے ایسا جانور قربان کرنا بہتر ہے جس میں معمولی عیب بھی نہ ہو۔

رد المحتار میں ہے: ”فی الشاۃ والمعز اذا لم یکن لھما احدی حلمتیھما خلقۃ او ذھبت بآفۃ وبقیت واحدۃ لم یجز وفی الابل والبقر ان ذھبت واحدۃ یجوز او اثنتان لا، وذکر فیھا جواز التی لا ینزل لھا لبن من غیر علۃ وفی التتارخانیۃ: والشطور لا تجزئ، وھی من الشاۃ ما قطع اللبن عن احدی ضرعیھا ومن الابل والبقر ما قطع من ضرعیھا، لان لکل واحد منھما اربع اضرع“ ترجمہ: اگر بکری اور بھیڑ کے دو تھنوں میں سے ایک تھن پیدائشی نہ ہو یا کسی آفت کی وجہ سے ضائع ہو جائے اور ایک باقی ہو، تو اس کی قربانی جائز نہیں، (البتہ) اونٹ اور گائے کا ایک تھن ضائع ہو جائے، تو اس کی قربانی جائز ہے اور اگر دو ضائع ہو جائیں، تو جائز نہیں اور خلاصہ میں ایسے جانور کی قربانی جائز ہونے کا ذکر ہے، جس کا دودھ بغیر کسی بیماری کے نہیں اترتا اور تتارخانیہ میں ہے: شطور کی قربانی

جائز نہیں، شطور بکریوں میں اس کو کہتے ہیں جس کے دو تھنوں میں سے ایک سے دودھ آنا منقطع ہو جائے، جبکہ اونٹ اور گائے میں سے اس کو کہتے ہیں جس کے دو تھنوں میں سے دودھ آنا ختم ہو جائے، کیونکہ اونٹ اور گائے کے چار تھن ہوتے ہیں۔“

(رد المحتار مع الدر المختار، کتاب الاضحیۃ، جلد 9، صفحہ 538، مطبوعہ پشاور)

فقیہ اعظم مفتی نور اللہ نعیمی بصیر پوری علیہ الرحمۃ سے سوال ہوا کہ ایسی گائے جس کے تین تھنوں سے دودھ آتا ہے اور ایک تھن سے دودھ نہیں آتا اور مقدار میں بھی چھوٹا ہے، تو کیا ایسی گائے کی قربانی ہو سکتی ہے؟ تو آپ علیہ الرحمۃ نے جواباً ارشاد فرمایا: ”ایسی گائے کی قربانی شرعاً جائز ہے،۔۔البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مستحب یہ ہے کہ کوئی ایسا چھوٹا عیب بھی نہ ہو۔“ (فتاوی نوریہ، جلد 3، صفحہ 470، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، بصیر پور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ مانع قربانی عیوب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”جس کے تھن کٹے ہوں یا خشک ہوں، اس کی قربانی ناجائز ہے۔ بکری میں ایک کا خشک ہونا، ناجائز ہونے کے لیے کافی ہے اور گائے بھینس میں دو خشک ہوں، تو ناجائز ہے“۔ (بہار شریعت، حصہ 15، صفحہ 341، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم

کتبــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

05 ذو الحجۃ الحرام 1440ھ / 07 اگست 2019ء

خصی جانور کی قربانی کا حکم

فتویٰ 33

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ قربانی کا

جانور خصی کرنا، جائز ہے یا نہیں اور اس کی قربانی ہو جاتی ہے یا نہیں؟ شریعت کی روشنی میں دلائل کے ساتھ وضاحت فرمادیں۔ سائل: محمد آصف علی عطاری (اسلام آباد)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جانور کو خصی کرنا اور خصی جانور کی قربانی کرنا، جائز ہے، بلکہ دوسرے کی بنسبت خصی جانور کی قربانی افضل ہے کہ اس میں زیادہ ثواب ہے۔ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم خود بھی خصی جانور کی قربانی فرماتے تھے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ سے مروی ہے: ”إن رسول الله صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم إذا أراد أن يضحي اشترى كبشين عظيمين سمينين أقرنين أملحين موجوأين۔“ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جب قربانی کا ارادہ فرماتے تو دو بڑے، موٹے، سینگوں والے، چتکبرے، خصی کیے ہوئے مینڈھے ذبح فرماتے۔

(ابن ماجہ شریف، ص226،225، مطبوعہ کراچی)

سیدی اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ”خصی کی قربانی افضل ہے اور اس میں ثواب زیادہ ہے۔“

(فتاویٰ رضویہ، جلد20، ص444، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: ”خصی کی قربانی غیر خصی سے افضل ہے۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے: ”و يصح بالجماء و الخصي و عن أبي حنيفة هو أولى لأن لحمه أطيب “غرر الاحکام میں ہے:” و صح الجماء و الخصي “شرنبلالیہ میں بدائع سے ہے:” و أفضل الشاة أن يكون

کبشا أملح أقرن موجوأ" مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:"ویجوز الخصی وعن الإمام أن الخصی أولی لأن لحمہ ألذ و أطیب" (فتاوی امجدیہ، جلد2، حصہ 3، ص304، مکتبہ رضویہ، کراچی)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:" مستحب یہ ہے کہ قربانی کا جانور خوب فربہ اور خوبصورت اور بڑا ہو اور بکری کی قسم میں سے قربانی کرنی ہو تو بہتر سینگ والا مینڈھا چتکبرا جس کے خصیے کوٹ کر خصی کر دیا ہو کہ حدیث میں ہے:" حضور نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ایسے مینڈھے کی قربانی کی۔" (بہار شریعت، جلد3، حصہ 15، ص344، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد نوید چشتی
11 ذوالقعدۃ الحرام 1430ھ / 31 اکتوبر 2009ء

جس جانور کا پیدائشی ایک خصیہ نہ ہو، اس کی قربانی کا حکم

فتویٰ 34

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایسا بکرا یا بیل جس کا پیدائشی ایک خصیہ نہ ہو، اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ سائل: حافظ محمد رمضان (راولپنڈی)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

ایسے بکرے یا بیل کی قربانی جائز ہے کہ یہ عیب نہیں ہے، عیب وہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے جانور کی قیمت کم ہو جائے اور خصیہ کم ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے اس کی قیمت کم نہیں ہوتی، بلکہ وہ جانور جس کے خصیے کوٹ دیے گئے ہوں یا خصیے اور ذکر کاٹ کر بالکل

الگ کر دیے گئے ہوں اس کی بھی قربانی جائز، بلکہ بہتر ہے۔

ہدایہ میں ہے: "کل ما اوجب نقصان الثمن فی عادۃ التجار فھو عیب" ہر وہ چیز جو تاجروں کی عادت میں ثمن میں کمی کا سبب بنے وہ عیب ہے۔ (ہدایہ، جلد 3، ص 42، مطبوعہ لاہور)

فتاوی ہندیہ میں ہے: "و یجوز المجبوب العاجز عن الجماع" اور اس جانور کی قربانی جائز ہے جس کے خصیے اور آلہ تناسل کاٹ دیے گئے ہوں، وہ جماع سے عاجز ہو۔

(فتاوی عالمگیری، جلد 5، ص 367، کراچی)

سیدی اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن سے سوال ہوا کہ بکرے دو طرح خصی کیے جاتے ہیں، ایک یہ کہ رگیں کوٹ دی جائیں، اس میں کوئی عضو کم نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ آلت تراش کر پھینک دی جاتی ہے، اس صورت میں ایک عضو کم ہو گیا، آیا ایسے خصی کی بھی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ آپ اس کے جواب میں فرماتے ہیں: "جائز ہے کہ اس کی کمی سے اس جانور میں عیب نہیں آتا، بلکہ وصف بڑھ جاتا ہے کہ خصی کا گوشت بہ نسبت فحل کے زیادہ اچھا ہوتا ہے فی الھندیۃ عن الخلاصۃ یجوز المجبوب العاجز عن الجماع (ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہے کہ ذکر کٹا جو جفتی کے قابل نہ رہا وہ قربانی میں جائز ہے)۔" (فتاوی رضویہ، ج 20، ص 458، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: "خصی یعنی جس کے خصیے نکال لیے گئے ہیں یا مجبوب یعنی جس کے خصیے اور عضو تناسل سب کاٹ لیے گئے ہوں ان کی قربانی جائز ہے۔"

(بہار شریعت، جلد 3، حصہ 15، ص 340، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلّم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد نوید چشتی
16 ذوالقعدۃ الحرام 1433ھ / 04 اکتوبر 2012ء

عضو کاٹ کر خصی کیے گئے جانور کی قربانی کا حکم

فتویٰ 35

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایسا خصی جانور، جس کا عضو کاٹ کر اُسے خصی کیا گیا ہو، اُس جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

سائل: محمد وقار عطاری (جنڈ، اٹک)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جی ہاں! ایسا خصی جانور جس کا عضو کاٹ کر اُسے خصی کیا گیا ہو، اُس کی قربانی جائز ہے، کیونکہ اس کی کمی سے جانور میں کوئی عیب نہیں آتا، بلکہ اُس کا وصف بڑھ جاتا ہے کہ ایسے جانور کا گوشت زیادہ اچھا ہوتا ہے۔

حضرت سیدنا جابر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ فرماتے ہیں: ”ذبح النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوئین“ ترجمہ: نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے قربانی کے دن دو سینگ والے، چِت کبرے، خصی مینڈھوں کو ذبح فرمایا۔

(سنن ابی داؤد، ج2، ص38، مطبوعہ لاہور)

علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کی نقل کردہ ایک تشریح کے مطابق، تو حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے عضو کٹے خصی جانور کی قربانی کرنا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ علیہ الرحمۃ اس حدیث پاک کے تحت فرماتے ہیں: ”الموجؤیعنی بضم الجیم وبالھمزۃ منزوع

الانثیین" ترجمہ: لفظ "موجوء" جیم پر پیش کے ساتھ ہے اور ہمزہ کے ساتھ ہے، جس سے مراد وہ جانور ہے جس کے خصیتین جدا کر دیے گئے ہوں۔ (فتح الباری، ج10، ص12، مطبوعہ کراچی)

فتاوی عالمگیری میں ہے: "ویجوز المجبوب العاجز عن الجماع" ترجمہ: عضو کٹے، جُفتی سے عاجز جانور کی قربانی جائز ہے۔ (فتاوی عالمگیری، ج5، ص367، مطبوعہ کراچی)

خصی ہونا عیب نہیں، بلکہ خوبی ہے، کیونکہ ایسے جانور کا گوشت اچھا ہوتا ہے۔ چنانچہ محیط برہانی میں ہے: "الخصی افضل من الفحل لانه اطیب لحما" ترجمہ: خصی جانور کی قربانی فحل (جو جانور خصی نہ ہو، اُس) کی قربانی سے افضل ہے، کیونکہ اس کا گوشت زیادہ عمدہ ہوتا ہے۔ (محیط برھانی، ج6، ص479، مطبوعہ کوئٹہ)

امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ سے سوال ہوا کہ جس جانور کا عضو کاٹ کر اُسے خصی کیا گیا ہو، اُس جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا: "جائز ہے کہ اس کی کمی سے اس جانور میں عیب نہیں آتا، بلکہ وصف بڑھ جاتا ہے کہ خصی کا گوشت فحل کی بنسبت زیادہ اچھا ہوتا ہے۔"

(فتاوی رضویہ، ج20، ص458، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کتبـــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

24 ذیقعدۃ الحرام 1439ھ / 07 اگست 2018ء

جانور کا ایک خصیہ نہ ہو، تو قربانی کا حکم؟

فتویٰ 36

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ قربانی

کے جانور کے خصیتین میں سے ایک نہ ہو، تو اس صورت میں اس کی قربانی ہو جائے گی یا نہیں؟
سائل: ضمیر الدین (اسلام آباد، حیدر آباد)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں قربانی ہو جائے گی کہ اس میں تو صرف ایک خصیہ کی کمی ہے، جبکہ شریعت مطہرہ نے بغرض منفعت خود خصی کرنا اور اس کی قربانی کرنا جائز، بلکہ افضل فرمائی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور میں اس عضو کا نہ ہونا عیب نہیں ہے، لہٰذا ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم

کتبــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

16 محرم الحرام 1438ھ / 18 اکتوبر 2016ء

جانور کا سینگ ٹوٹ کر زخم بھر جائے، تو قربانی کا حکم؟

فتویٰ 37

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک جانور خریدنے کا ارادہ ہے، مگر اس کا سینگ ٹوٹا ہوا ہے۔ اس کے مالک سے پوچھا، تو اس نے بتایا کہ ایک سینگ ٹوٹ گیا تھا، دوسرے کو بھی ہم نے شروع سے ہی نکال دیا تھا، تو کیا ایسے جانور کی قربانی ہو سکتی ہے، جبکہ جانور کے سر پر کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا اور نہ ہی سر پر اب کسی طرح کا کوئی زخم ہے۔ رہنمائی فرمائیں؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں اس جانور کی قربانی جائز ہے، سینگ کا ٹوٹنا اس وقت عیب شمار ہوتا ہے، جبکہ جڑ سمیت ٹوٹ جائے اور زخم بھی ٹھیک نہ ہوا ہو، لہٰذا اگر کسی جانور کا سینگ جڑ سمیت ٹوٹ جائے اور زخم بھر جائے، تو اب اس کی قربانی ہو سکتی ہے، کیونکہ جس عیب کی وجہ سے قربانی نہیں ہو رہی تھی، وہ عیب اب ختم ہو چکا ہے، لہٰذا اس کی قربانی ہو جائے گی۔

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان رَحۡمَۃُ اللّٰہِ عَلَیۡہ اسی طرح کے ایک مسئلے کے جواب میں فرماتے ہیں: ”سینگ ٹوٹنا اس وقت قربانی سے مانع ہوتا ہے جبکہ سر کے اندر جڑ تک ٹوٹے، اگر اوپر کا حصہ ٹوٹ جائے تو مانع نہیں۔ فی ردالمحتار ” یضحی بالجماء وھی التی لا قرن لھا خلقۃ وکذا العظماء التی ذھب بعض قرنھا بالکسر اوغیرہ۔ فان بلغ الکسر الی المخ لم یجز قھستانی، وفی البدائع ان بلغ الکسر المشاش لایجزئ والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین“ ردالمحتار میں ہے جماء کی قربانی جائز ہے یہ وہ ہے کہ جس کے سینگ پیدائشی نہ ہو اور یوں عظماء بھی، یہ وہ ہے کہ جس کے سینگ کا کچھ حصہ ٹوٹا ہو اور مخ تک ٹوٹ چکا ہو، تو ناجائز ہے۔ قہستانی۔ اور بدائع میں ہے: اگر یہ ٹوٹ مشاش تک ہو تو ناجائز ہے اور مشاش ہڈی کے سرے کو کہتے ہیں جیسے گھٹنے اور کہنیاں۔

اور پھر اگر ایسا ہی ٹوٹا تھا کہ مانع ہوتا، مگر اب زخم بھر گیا، عیب جاتا رہا، تو حرج نہیں ”لان المانع قد زال وھذا ظاھر“ کیونکہ مانع جاتا رہا اور یہ ظاہر ہے۔

(فتاوی رضویہ جلد 20، صفحہ 460، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو حذیفہ محمد شفیق عطاری
24ذیقعدۃ الحرام1440ھ /28جولائی2019ء

سینگ جڑ سے نکال دیے گئے، تو قربانی کا حکم؟

فتوی 38

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ کسی نے قربانی کا ایسا جانور خریدا جس کے سینگ جڑ سے نکال دیے گئے تھے، پھر اس کا زخم بھر کر ٹھیک ہو گیا اور وہاں کھال جڑ کر مکمل ٹھیک ہو گئی، تو اب کیا ایسے جانور کی قربانی ہو جائے گی؟

سائل: محمد شریف (خداداد کالونی، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں ایسے جانور کی قربانی جائز ہے۔ تفصیل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ جس جانور کا سینگ ٹوٹ گیا ہو اگر سر کے اوپر والا حصہ ٹوٹا ہو جو ظاہر ہوتا ہے، تو قربانی جائز ہے اور اگر سر کے اندر جڑ تک ٹوٹے، تو قربانی جائز نہیں، لیکن اس صورت میں اگر سر کا زخم بھر جائے جیسا کہ سوال میں ذکر کیا گیا ہے، تو اب قربانی جائز ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبــــــــــہ
مفتی فضیل رضا عطاری
26ربیع الثانی1438ھ /25جنوری2017ء

جانور کے سینگ جڑ کے اوپر سے کاٹ دیے گئے، تو قربانی کا حکم؟

فتویٰ 39

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک بکرا جس کے پیدائشی سینگ ہیں، مگر اس کے سینگ جڑ کے اوپر سے سر کی کھال کے برابر کاٹ دیئے گئے ہیں، ان سینگوں کی جڑیں سلامت ہیں، اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس میں قربانی کی دیگر تمام شرائط پوری ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

اُس بکرے کی قربانی کرنا جائز ہے، کیونکہ اس کے سینگ اس طرح سے کاٹے گئے ہیں کہ جڑیں سلامت ہیں، البتہ اگر جڑیں سلامت نہ رہتیں، تو قربانی نہ ہوتی۔ جب تک زخم نہ بھرتے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

الجواب صحیح	کتبــــــــــہ
مفتی محمد ہاشم خان عطاری	محمد عرفان مدنی
	25 محرم الحرام 1438ھ / 28 اکتوبر 2016ء

جانور کا کان چِرا ہوا ہو، لیکن کان سے جدا نہ ہو، تو قربانی کا حکم

فتویٰ 40

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایسا جانور جس کا کان لمبائی میں چِرا ہوا ہو، لیکن بدن سے اترا ہوا نہ ہو، اس کی قربانی کرنا کیسا ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

ایسا جانور جس کا کان چرا ہوا ہو، لیکن بدن سے اترا ہوا نہ ہو اس کی قربانی کرنا، جائز تو ہے، البتہ مستحب یہ ہے کہ ایسے جانور کی قربانی نہ کی جائے، بلکہ ایسے جانور کی قربانی کی جائے جو ہر طرح کے عیب سے پاک ہو۔ جیسا کہ فتاوی ہندیہ میں ہے: ”تجزیٔ الشرقاء وهی مشقوقة الاذن طولا والمقابلة ان یقطع من مقدم اذنها ولایبان بل یترك معلقا والمدابرة ان یفعل ذلك بمؤخر الاذن من الشاة وما روی أن رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی أن یضحی بالشرقاء والمقابلة والمدابرة والخرقاء فالنهی فی الشرقاء والمقابلة والمدابرة محمول علی الندب“ ترجمہ: شرقاء کی قربانی جائز ہے اور اس سے مراد وہ جانور ہے جس کے کان لمبائی میں چرے ہوئے ہوں اور مقابلہ (کی بھی جائز ہے اور یہ) وہ جانور ہے جس کے کان کا اگلا کچھ حصہ کٹا ہو، لیکن جدا نہ ہو، بلکہ لٹکا ہوا ہو اور مدابرہ (کی بھی جائز ہے اور یہ) وہ بکری ہے جس کے کان کا پچھلا حصہ اسی طرح کٹا ہوا ہو یعنی جدا نہ ہوا ہو ساتھ لٹک رہا ہو اور جو حدیث مبارک میں مروی ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے الشرقاء والمقابلۃ والمدابرۃ والخرقاء کی قربانی سے منع فرمایا ہے، تو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا الشرقاء والمقابلۃ والمدابرۃ کی قربانی سے منع کرنا یہ استحباب پر محمول ہے (یعنی ان کی قربانی نہ کرنا مستحب ہے)۔ (فتاوی ہندیہ، ج5، ص298، مطبوعہ کوئٹہ)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہ تعالٰی علیہ والہ وسلَّم

کتبـــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

27ذیقعدہ1438ھ/20اگست2017ء

جانور کے کان میں سوراخ ہوں، تو قربانی کا حکم

فتویٰ 41

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ آج کل منڈی میں جانور خریدنے جائیں، تو اکثر بیوپاریوں نے اپنے جانوروں کو مخصوص نشانیاں لگائی ہوتی ہیں، میں نے رات کو منڈی سے بیل خریدا، لیکن جب صبح دیکھا، تو اس جانور کے ایک کان میں تین چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے۔ میں پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ میرے لیے اس جانور کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

مستحب یہ ہے کہ جانور کے کان، آنکھ، ناک، ہاتھ، پاؤں وغیرہ بالکل صحیح اور عیب سے سلامت ہوں، اگر تھوڑا سا عیب ہو، تو قربانی مکروہ، اگر زیادہ ہو، تو ناجائز اور پوچھی گئی صورت میں جس بیل کے کان میں تین سوراخ ہیں، اگر وہ مل کر تہائی کان کی مقدار یا اس سے کم ہیں اور کوئی دوسرا مانعِ قربانی عیب بھی نہیں، تو ایسے جانور کی قربانی جائز تو ہے، مگر مکروہ وخلاف اولیٰ ہے۔

جامع صغیر میں ہے: ”وان قطع من الذنب او الاذن او الالیۃ الثلث او اقل اجزاہ وان کان اکثر لم یجز“ ترجمہ: اگر جانور کی دم یا کان یا چکی کا ایک تہائی یا اس سے کم حصہ کٹا ہوا ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے اور اگر ایک تہائی سے زیادہ حصہ کٹا ہو، تو اُس جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔ (الجامع الصغیر، کتاب الذبائح، ص 473، مطبوعہ عالم الکتب، بیروت)

فتاوی ہندیہ میں ہے: ”تجزی الشرقاء وھی مشقوقۃ الاذن طولا، والمقابلۃ ان

یقطع من مقدم اذنها شیء ولا یبان بل یترک معلقا، والمدابرۃ ان یفعل ذلک بمؤخر الاذن من الشاۃ، وما روی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی ان یضحی بالشرقاء والمقابلۃ والمدابرۃ والخرقاء فالنھی فی الشرقاء والمقابلۃ والمدابرۃ محمول علی الندب وفی الخرقاء علی الکثیر علی اختلاف الاقاویل فی حد الکثیر، کذا فی البدائع" ترجمہ: شرقاء کی قربانی جائز ہے اور یہ ایسی بکری ہے جس کے کان لمبائی میں چرے ہوئے ہوں اور مقابلہ (کی قربانی بھی جائز ہے اور یہ) ایسی بکری ہے جس کے کان کا اگلا حصہ کچھ کٹا ہو، لیکن جدا نہ ہو، بلکہ لٹکا ہوا ہو اور مدابرہ (کی قربانی بھی جائز ہے اور یہ) ایسی بکری ہے جس کے کان کا پچھلا حصہ اسی طرح کٹا ہو اور جو حدیث مروی ہے کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے شرقاء، مقابلہ، مدابرہ اور خرقاء کی قربانی سے منع فرمایا ہے، تو شرقاء، مقابلہ اور مدابرہ میں یہ نہی استحباب پہ محمول ہے اور خرقاء میں کان زیادہ کٹے ہونے پر محمول ہے اور زیادتی کی حد میں اقوال مختلف ہیں۔ ایسے ہی بدائع الصنائع میں ہے۔

(فتاوی عالمگیری، جلد 5، ص 76، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ سے سوال ہوا کہ ایک گائے کا کان چرا ہوا ہے جیسے گاؤں کے لوگ بچپن میں کان چیر دیتے ہیں کہ طول یا عرض میں شق ہو جاتا ہے، مگر وہ ٹکڑا کان ہی میں لگا رہتا ہے، جدا نہیں ہوتا۔ ایسی گائے کی قربانی شرعا جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ علیہ الرحمۃ نے جوابًا ارشاد فرمایا: "بلا شبہہ جائز ہے، مگر مستحب یہ ہے کہ کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں بالکل سلامت ہوں۔"

(فتاوی رضویہ، ج 20، ص 458، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ ارشاد فرماتے ہیں: "اور جس کے کان یا دم یا چکی کٹے ہوں، یعنی وہ عضو تہائی سے زیادہ کٹا ہو، ان سب کی قربانی ناجائز ہے اور

اگر کان یا دم یا چکی تہائی یا اس سے کم کٹی ہو، تو جائز ہے۔"

(بہار شریعت ج3، ص341، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

08ذوالحجۃ الحرام1436ھ / 23 ستمبر 2015ء

جانور کا ایک دانت ٹوٹ جائے تو قربانی کا حکم

فتویٰ 42

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک جانور قربانی کے لیے خریدا گیا، عمر بھی پوری ہے، لیکن کسی چیز کے ساتھ منہ ٹکرانے کی وجہ سے اُس کا ایک دانت ٹوٹ گیا ہے (جانور چارہ کھا سکتا ہے)، تو اُس کی قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل: محمد عمر عطاری (فتح جنگ، اٹک)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں اُس جانور کی قربانی کرنا، جائز ہے، کیونکہ اگر کسی جانور کے کچھ دانت نہ ہوں، لیکن اتنے دانت سلامت ہوں کہ جن سے وہ خود چارہ چر سکے، تو اُس جانور کی قربانی جائز ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ دوسرا بے عیب جانور لیں کہ چھوٹے عیب سے بھی سالم جانور مستحب ہے۔

ہدایہ شریف میں ہے: "ان بقی ما یمکن الاعتلاف بہ اجزأہ لحصول المقصود" ترجمہ: اگر اتنے دانت باقی ہیں، جن کے ساتھ وہ چارہ کھا سکتا ہے، تو مقصود کے حاصل ہونے کی وجہ سے اُس جانور کی قربانی جائز ہے۔ (ہدایہ، ج4، ص448، مطبوعہ لاہور)

فتاوی قاضی خان میں ہے:”ان بقی لھا من الاسنان قدر ما تعتلف جاز والا فلا“ ترجمہ: اگر اتنے دانت ہوں، جن سے چارہ کھا سکے، تو اُس کی قربانی جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔ (فتاوی قاضی خان، ج3، ص240، مطبوعہ کراچی)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبــــــــــــــــــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

01ذوالحجۃ الحرام1439ھ/13اگست2018ء

جانور کی دُم کٹنے میں بال شامل ہوں گے یا نہیں؟

فتوی 43

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ بہار شریعت وغیرہ کتب فقہ میں جانور کی دم کے متعلق تحریر ہے کہ اگر وہ تہائی سے زیادہ کٹ گئی ہے، تو اس کی قربانی نہیں ہو سکتی۔ یہ شرعی رہنمائی فرمائیں کہ اس مقدار میں دم کے لٹکتے ہوئے بال بھی شامل ہیں یا نہیں یعنی اگر جانور کی دم کا کچھ حصہ کٹا اور بقیہ لٹکتے بال کٹے کہ اگر دونوں کو جمع کر کے دیکھا جائے، تو تہائی سے زیادہ مقدار بن جاتی ہے اور اگر بالوں کو شامل نہ کیا جائے، صرف دم کا گوشت ہی شمار کیا جائے، تو وہ تہائی سے کم ہے، تو اس صورت میں جانور کی قربانی ہو سکے گی یا نہیں؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جانور کی دم میں جو مانع قربانی مقدار بیان کی جاتی ہے، اس میں لٹکتے ہوئے بال شامل نہیں ہیں، لہٰذا وہ جانور جس کی دم کے گوشت کا کچھ حصہ کٹا اور ساتھ میں لٹکتے ہوئے بال

کٹ گئے کہ اگر بالوں کو شامل کر کے دیکھیں، تو تہائی سے زیادہ مقدار بنتی ہے اور اگر بالوں کو شامل نہ کریں، فقط دم کا گوشت ہی شمار کیا جائے، تو تہائی سے کم مقدار بنتی ہے، اس جانور کی قربانی ہو جائے گی۔ فتاوی ہندیہ میں ہے: "لا یعتبر الشعر المسترسل مع الذنب فی المانع" ترجمہ: (قربانی سے) مانع مقدار میں دم کے ساتھ لٹکتے بالوں کا اعتبار نہیں ہو گا۔ (الفتاوی الہندیۃ، کتاب الاضحیۃ، الباب التاسع فی المتفرقات، ج05، ص307، مطبوعہ کوئٹہ)

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے: "وفی الیتیمۃ سالت ابا فضل عن ذنب البقر والبعیر قول الفقھاء انہ یعتبر الثلث او مافوقہ علی حسب ما اختلفوا فیہ بعد الشعر المسترسل منہ من جملۃ الذنب حتی لو کان ساقطا بافۃ نحو البرد و غیرہ بقدر الثلث مع الساقط فی قول من یعتبر الثلث ام لا یعتبر ہذہ الشعور و یکون الذنب ھو العظم الطویل فقال لا یعتبر الشعر المسترسل" ترجمہ: اور یتیمہ میں ہے: میں نے ابو فضل سے گائے اور اونٹ کی دم کے متعلق سوال کیا کہ فقہاء کا جو یہ قول ہے کہ مقدارِ مانع میں تہائی کا اعتبار ہے یا اس سے اوپر کا جیسا کہ ان کا اختلاف ہے، اس میں دم کے لٹکتے بال بھی شمار ہوں گے، حتی کہ اگر سردی وغیرہ کی وجہ سے کچھ حصہ گرا، تو اس میں جو تہائی کا اعتبار کرتا ہے، اس کے قول کے مطابق دم کے ساتھ بالوں کا اعتبار ہو گا یا اعتبار نہیں ہو گا اور دم وہ لمبی ہڈی ہو گی، تو انہوں نے فرمایا: لٹکتے بالوں کا اعتبار نہیں ہو گا۔

(الفتاوی التاتارخانیۃ، کتاب الاضحیۃ، الفصل: ما یجوز من الضحایا، ج17، ص430-31، مطبوعہ کوئٹہ)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلَّم

الجواب صحیح	کتبــــــــــہ
مفتی محمد ہاشم خان عطاری	محمد عرفان مدنی

28 ذیقعدۃ الحرام 1438ھ / 21 اگست 2017ء

ذبح

جانور ذبح کرتے ہوئے تکبیر کے بعد کلام کیا اور پھر تکبیر نہ پڑھی تو کیا حکم ہے؟

فتویٰ 44

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص نے جانور ذبح کرنے کے لیے بسم اللہ ، اللہ اکبر پڑھا اس کے بعد کہنے لگا کہ "جانور ہل رہا ہے اسے ٹھیک سے پکڑو" یہ کہنے کے بعد اس نے دوبارہ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھے بغیر جانور ذبح کر دیا، کیا وہ جانور حلال ہو گیا؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

اگر جانور ذبح کرتے ہوئے تسمیہ اور ذبح کے درمیان عمل کثیر ہو، تو جانور حرام ہو جاتا ہے اور اگر عمل قلیل مثلاً تھوڑی سی گفتگو، پانی پینا یا چھری تیز کرنا وغیرہ، ہو، تو جانور حلال ہوتا ہے، اس عمل قلیل کے حائل ہونے سے حرام نہیں ہو جاتا اور تسمیہ پڑھنے کے بعد اور ذبح کرنے سے پہلے یہ کہنا "جانور ہل رہا ہے اسے ٹھیک سے پکڑو" تھوڑی سی گفتگو ہے، عمل قلیل ہے، اس لیے پوچھی گئی صورت میں جانور حلال ہی ہوا، حرام نہیں ہوا۔

ردالمحتار میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ جانور پر تسمیہ پڑھنے کے بعد عمل قلیل کے بارے میں فرماتے ہیں: "قال الزيلعي حتى اذا سمى واشتغل بعمل آخر من كلام قليل او شرب ماء او أكل لقمة اوتحديد شفرة ثم ذبح يحل وان كان كثيرا لا يحل ، لان ايقاع الذبح متصلا بالتسمية بحيث لا يتخلل بينهما شيئ لا يمكن الا بحرج عظيم ، فأقيم المجلس مقام الاتصال، والعمل القليل لايقطعه والكثير يقطع" یعنی علامہ زیلعی نے

فرمایا: جب اس نے بسم اللہ پڑھی اور کسی عمل قلیل مثلا تھوڑی سی گفتگو، پانی پینے یا ایک آدھ لقمہ کھانے یا چھری تیز کرنے میں مشغول ہو گیا، پھر اس نے جانور ذبح کیا، تو جانور حلال ہے اور اگر عملِ کثیر میں مشغول ہو گیا، تو جانور حلال نہیں ہے، کیونکہ تسمیہ کا ذبح سے بالکل متصل ہونا کہ ان کے مابین کوئی چیز حائل نہ ہو، حرج عظیم کے ساتھ ہی ممکن ہے، اس لیے مجلس کو اتصال کے قائم مقام قرار دیا گیا اور عمل قلیل مجلس کو منقطع نہیں کرتا، عمل کثیر منقطع کرتا ہے۔ (ردالمختار مع الدر المختار، ج09، ص504، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی حوالے سے عالمگیری میں ہے: "واذا اضجع شاة ليذبحها وسمى عليها ثم كلم انسانا او شرب ماء او حدد سكينا او أكل لقمة وما اشبه ذلك من عمل لم يكثر، حلت بتلك التسمية ۔۔۔۔ وليس فی ذلك تقدير يل ينظر الى العادة ان اسكتثر الناس فی العادة يكون كثيرا وان كان يعد قليلا فهو قليل "یعنی اور جب اس نے بکری کو ذبح کرنے کے لیے لٹایا اور اس پر بسم اللہ پڑھی پھر کسی انسان سے کلام کیا یا پانی پیا یا چھری تیز کی یا ایک لقمہ کھایا یا اسی طرح کوئی عملِ قلیل کیا، تو پہلے والی تسمیہ کے ساتھ وہ جانور حلال ہو جائے گا۔۔۔۔ اور عمل قلیل اور کثیر میں کوئی خاص اصول نہیں ہے، بلکہ عادۃ جسے لوگ زیادہ سمجھیں وہ کثیر ہے اور جسے قلیل سمجھیں وہ قلیل ہے۔

(فتاوی عالمگیری، ج05، ص288، مطبوعہ پشاور)

مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ بہار شریعت میں فرماتے ہیں: "بسم اللہ کہنے اور ذبح کرنے کے درمیان طویل فاصلہ نہ ہو اور مجلس بدلنے نہ پائے، اگر مجلس بدل گئی اور عملِ کثیر پایا گیا، **تو جانور حلال نہ ہوا**، ایک لقمہ کھایا یا ذرا سا پانی پیا یا چھری تیز کر لی یہ عمل قلیل ہے، جانور اس صورت میں حلال ہے۔" (بہار شریعت، ج03، ص318، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــــــہ

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی

01 محرم الحرام 1441ھ / 01 ستمبر 2019ء

جانور ذبح کرتے ہوئے سر الگ ہو جائے، تو کیا حکم ہے؟

فتویٰ 45

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ قربانی کے جانور مثلاً بکرے کو ذبح کرتے ہوئے اس کی چار رگیں کاٹی گئیں، لیکن اس کا سر بھی جدا ہو گیا، تو کیا ایسے جانور کی قربانی ہو جائے گی؟ نیز اس جانور کا گوشت کھانا کیسا؟

سائل: انصر عباسی (مری)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

دریافت کی گئی صورت میں ذبح شرعی پائے جانے کی وجہ سے قربانی ہو جائے گی، جبکہ وہ جانور قربانی کے شرعی معیار پر پورا اُترتا تھا اور اس جانور کا گوشت کھانا بھی بلا شبہ جائز ہے، البتہ جانور کو اس طرح ذبح کرنا کہ اس کا سر کٹ کر جدا ہو جائے، یہ فعل ضرور مکروہ ہے، مگر یہ کراہیت گوشت میں سرایت نہیں کرتی۔

ہدایہ شریف میں ہے: ”ومن بلغ بالسکین النخاع او قطع الراس کرہ لہ ذلك و توکل ذبیحتہ“ ترجمہ: جانور ذبح کرنے والا حرام مغز تک چھری لے گیا یا مکمل سر ہی کاٹ دیا، تو اس کا یہ فعل مکروہ ہے، لیکن بہر حال اس کا ذبیحہ حلال ہے۔

(ہدایہ، ج4، ص437، مطبوعہ، مطبوعہ لاہور)

اور صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحمَۃُ اللہِ عَلَیہ ارشاد فرماتے ہیں: ”اس طرح ذبح کرنا کہ چھری حرام مغز تک پہنچ جائے یا سر کٹ کر جدا ہو جائے، مکروہ ہے، مگر وہ ذبیحہ کھایا جائے گا، یعنی کراہت اس فعل میں ہے، نہ کہ ذبیحہ میں۔ عام لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ ذبح کرنے میں اگر سر جدا ہو جائے، تو اس سر کا کھانا مکروہ ہے، یہ کتب فقہ میں نظر سے نہیں گزرا، بلکہ فقہاء کا یہ ارشاد کہ ”ذبیحہ کھایا جائے گا“ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سر بھی کھایا جائے گا۔“ (بہار شریعت، ج3، ص315، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

کتبــــــــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

02 محرم الحرام 1438ھ / 21 ستمبر 2017ء

رات کے وقت قربانی کرنا کیسا؟

فتویٰ 46

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہم نے اس دفعہ اپنے جانوروں کی قربانی عید کے پہلے دن عصر کے بعد شروع کی، بڑا جانور تو غروب آفتاب سے پہلے پہلے ہو گیا، لیکن دو بکرے مغرب کی نماز کے بعد ذبح کیے ہیں، اب کچھ لوگ کہتے ہیں کہ رات کے وقت قربانی درست نہیں ہے، آپ اس بارے میں رہنمائی فرمادیں کہ رات کے وقت قربانی کرنے سے ہو جاتی ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

قربانی کا وقت دس ذوالحجہ کی طلوع فجر سے لے کر بارہ ذوالحجہ کی غروب آفتاب تک

ہے یعنی تین دن اور بیچ کی دو راتیں گیارہویں اور بارہویں شب۔ یہ سارا قربانی کا ہی وقت ہے، البتہ شہر میں رہنے والوں کے لیے عید کی نماز کے بعد قربانی کرنا شرط ہے اور دیہات میں رہنے والوں کو طلوعِ فجر کے بعد سے ہی قربانی کرنا، جائز ہے۔

لہٰذا ذوالحجہ کی گیارہویں اور بارہویں شب میں قربانی کرنا، جائز ہے، کیونکہ یہ راتیں بھی قربانی کے وقت میں شامل ہیں، البتہ فقہاء کرام رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِم نے رات میں قربانی کرنے کو مکروہ تنزیہی فرمایا ہے، کیونکہ اندھیرے کی وجہ سے ذبح میں غلطی ہوسکتی ہے، لیکن فی زمانہ لائٹس، روشنی کا اتنا وافر انتظام ہوسکتا ہے کہ کسی طرح کی غلطی کا بھی احتمال باقی نہیں رہتا، لہٰذا جہاں رات میں لائٹ، روشنی کا انتظام ہو، تو ان لوگوں کے لیے مکروہ بھی نہیں کہا جائے گا کہ جب علت یعنی اندھیرا ختم ہوگیا، تو کراہت کا حکم بھی باقی نہیں رہے گا اور جن کے پاس روشنی کا انتظام نہ ہو وہاں رات میں قربانی کرنا، جائز تو ہے، مگر مکروہ تنزیہی یعنی خلافِ اولیٰ ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہِ ردالمحتار میں قربانی کا وقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”أول وقتها فی حق المصری والقروی طلوع الفجر إلا أنه شرط للمصری تقدیم الصلاۃ علیها فعدم الجواز لفقد الشرط لا لعدم الوقت کما فی المبسوط وأشیر إلیه فی الهدایة“ ترجمہ: شہری اور دیہاتی کے لیے قربانی کا ابتدائی وقت طلوعِ فجر ہے، لیکن شہری کے لیے پہلے (عید کی) نماز ہونا شرط ہے۔ تو نماز سے پہلے جانور ذبح کرنے کا عدمِ جواز شرط فوت ہونے کی وجہ سے ہے، نہ کہ عدمِ وقت کی وجہ سے جیسا کہ مبسوط میں ہے اور اسی طرف ہدایہ میں اشارہ ہے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الاضحیہ، جلد 9، صفحہ 528، مطبوعہ کوئٹہ)

رات میں قربانی کرنے کے بارے میں فتاوی بزازیہ میں ہے: ”یجوز فی اللیلتین

المتخللتین" ترجمہ: ایام نحر کی درمیانی دو راتوں میں قربانی کرنا، جائز ہے۔

(فتاوی بزازیہ، کتاب الاضحیہ، جلد2، صفحہ406، مطبوعہ کراچی)

فتح القدیر میں ہے:" یجوز فی لیالھا الا انہ یکرہ لاحتمال الغلط فی ظلمۃ اللیل" ایام نحر کی راتوں کو قربانی کرنا، جائز ہے، مگر اندھیرے میں غلطی کے احتمال کی وجہ سے مکروہ ہے۔

(فتح القدیر، کتاب الاضحیہ، جلد9، صفحہ568، مطبوعہ کوئٹہ)

درمختار میں ہے:" وکرہ تنزیھا الذبح لیلا لاحتمال الغلط" ترجمہ: اندھیرے میں غلطی کے احتمال کی وجہ سے رات کو ذبح کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الاضحیہ، جلد9، صفحہ531، مطبوعہ کوئٹہ)

فتاوی رضویہ میں ہے:"رات کو ذبح کرنا اندیشہ، غلطی کے باعث مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہے۔" (فتاوی رضویہ، جلد20، صفحہ213، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

الجواب صحیح	کتبـــــــــــــــہ
مفتی محمد قاسم عطاری	المتخصص فی الفقہ الاسلامی
	ابو حذیفہ محمد شفیق عطاری
	15 ذوالحجۃ الحرام 1437ھ / 18 ستمبر 2016ء

قربانی کے جانور کا ذبح کے وقت بہنے والے خون کا حکم

فتویٰ 47

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل سوالات کے بارے میں کہ: (1) ذبح کے وقت قربانی کے جانور کا جو بہتا خون نکلتا ہے، کیا وہ ناپاک ہوتا ہے؟ (2) کیا دودھ پیتے بچے کا پیشاب ناپاک ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَایَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

(1) دیگر جانوروں کے خون کی طرح قربانی کے جانور کا بہتا خون بھی ناپاک ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ۔۔۔ الخ﴾ ترجمہ: تم فرماؤ: میری طرف جو وحی کی جاتی ہے اس میں کسی کھانے والے پر میں کوئی کھانا حرام نہیں پاتا، مگر یہ کہ مردار ہو یا رگوں میں بہنے والا خون ہو یا سور کا گوشت ہو، کیونکہ وہ ناپاک ہے۔

(پارہ 8، سورۃ الانعام، آیت 145)

بہارِ شریعت میں ہے: ''خشکی کے ہر جانور کا بہتا خون مردار کا گوشت اور چربی۔۔۔ یہ سب نجاستِ غلیظہ ہیں۔''
(بہارِ شریعت، ج 1، ص 390 تا 391، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اور مفتی احمد یار خان نعیمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ ارشاد فرماتے ہیں: ''بہتا خون حرام بھی ہے اور نجس بھی۔''
(مراۃ المناجیح، ج 1، ص 265، مطبوعہ، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

(2) جی ہاں! دودھ پیتے بچے کا پیشاب بھی ناپاک اور نجاستِ غلیظہ ہے۔

الاختیار لتعلیل المختار میں نجاستِ غلیظہ کی بحث میں ہے: ''وکذلك بول الصغیر والصغیرۃ اکلا اولا'' ترجمہ: اسی طرح چھوٹے بچے اور بچی کا پیشاب بھی نجاست غلیظہ ہے، کھانا کھاتے ہوں یا نہ کھاتے ہوں (بہر صورت حکم ایک ہی ہے)۔

(الاختیار لتعلیل المختار، ج 1، ص 32، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ''آدمی کا بچہ اگرچہ ایک دن کا ہو، اس کا پیشاب ناپاک ہے اگرچہ لڑکا ہو۔''

(فتاویٰ رضویہ، ج 4، ص 556، مطبوعہ، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اور صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ ارشاد فرماتے ہیں: ”دودھ پیتے لڑکے اور لڑکی کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے۔ یہ جو اکثر عوام میں مشہور ہے کہ دودھ پیتے بچوں کا پیشاب پاک ہے، محض غلط ہے۔“ (بہارِ شریعت، ج1، ص390، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

02 محرم الحرام1440ھ/13 ستمبر2018ء

قربانی کے گوشت اور کھال کا حکم

قربانی کا گوشت کب تک استعمال کرسکتے ہیں؟

فتویٰ 48

قربانی کا گوشت قربانی کے بعد کتنے دن تک استعمال کر سکتے ہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تین دن سے زیادہ گوشت استعمال نہیں کر سکتے، آپ شریعت کی روشنی میں وضاحت فرمادیں۔ سائل: حافظ محمد عارف (اٹک)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

قربانی کا گوشت جب تک چاہیں، تین دن یا اس سے زیادہ بھی اس کو ذخیرہ کر سکتے ہیں اور اس کو کھا سکتے ہیں، شرعی اعتبار سے اس میں مخصوص ایام کی کوئی حد بندی نہیں ہے، پہلے نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَالِہٖ وَسَلَّم نے تین دن سے زیادہ قربانی کے گوشت کو رکھنے اور کھانے سے منع فرمایا تھا، پھر بعد میں اس کی اجازت عطا فرمادی۔

چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: ”إن النبی

صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم قال لا یأکل أحدکم من لحم أضحیتہ فوق ثلثۃ أیام" بے شک نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایک بھی تین دن سے زیادہ اپنی قربانی کے گوشت میں سے نہ کھائے۔

حضرت سلیمان بن بریدہ رَضِیَ اللہُ عَنْہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: "قال رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کنت نھیتکم عن لحوم الأضاحی فوق ثلاث لیتسع ذو الطول علی من لا طول لہ فکلوا ما بدالکم و أطعموا و ادخروا" رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "میں نے تمھیں تین دن سے زیادہ قربانی کے گوشت کو رکھنے سے منع کیا تھا تاکہ صاحب استطاعت لوگ غیر صاحب استطاعت لوگوں کے لیے وسعت پیدا کریں، تو اب تمہارے لیے جو ظاہر ہو اس کو خود کھاؤ، دوسروں کو کھلاؤ اور ذخیرہ کرو۔

امام ترمذی علیہ رحمۃ اللہ القوی ان دونوں احادیث مبارکہ کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "إنما کان النھی من النبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم متقدماً ثم رخص بعد ذلك" نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی طرف سے پہلے نہی وارد ہوئی تھی، پھر اس کے بعد آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے رخصت عطا فرمادی۔

(ترمذی شریف، جلد1، ص277، مطبوعہ کراچی)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "ولہ أن یدخر الکل لنفسہ فوق ثلاثۃ أیام إلا أن إطعامھا و التصدق بھا أفضل إلا أن یکون الرجل ذا عیال و غیر موسع الحال فإن الأفضل لہ حینئذ أن یدعہ لعیالہ ویوسع علیھم بہ کذا فی البدائع" قربانی کرنے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ کے لیے قربانی کا سارا گوشت اپنے لیے ذخیرہ کر لے، مگر دوسروں کو کھلانا اور اس کو صدقہ کرنا افضل ہے، الا یہ کہ وہ شخص زیادہ اہل و عیال والا اور

تنگ دست ہو، تو اس کے لیے اس وقت افضل یہ ہے کہ اپنے عیال کے لیے رکھ لے اور ان کے لیے اس گوشت کے ذریعے وسعت پیدا کرے، بدائع میں اسی طرح ہے۔

(فتاوی عالمگیری، جلد 5، ص 371، مطبوعہ کراچی)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: ''(قربانی کا گوشت) تین دن سے زائد اپنے اور گھر والوں کے کھانے کے لیے رکھ لینا بھی جائز ہے اور بعض حدیثوں میں جو اس کی ممانعت آئی ہے، وہ منسوخ ہے۔''

(بہار شریعت جلد 3 حصہ 15 ص 345 مکتبۃ المدینہ کراچی)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبـــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد نوید چشتی
11 ذوالقعدۃ الحرام 1435ھ / 07 ستمبر 2014ء

میت کی طرف سے کی گئی قربانی کے گوشت کا حکم

فتوی 49

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اپنی قربانی کے علاوہ جو قربانی کسی میت مثلاً والدین وغیرھما کی طرف سے کی جاتی ہے، تو کیا اس کا گوشت خود بھی کھا سکتے ہیں یا سب صدقہ کرنا واجب ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

میت کی طرف سے جو قربانی کی جاتی ہے، اس میں بھی اپنی قربانی کی طرح تین حصے کرنا افضل ہے، ایک حصہ فقراء و مساکین کے لیے، دوسرا حصہ اپنے دوست واحباب اور

رشتہ داروں کے لیے اور تیسرا اپنے گھر والوں کے لیے، البتہ اگر سارا رکھ لے تو بھی جائز ہے، ہاں اگر میت نے فوت ہونے سے پہلے وصیت کی تھی، تو سارا صدقہ کردے ،خود نہ کھائے، جیسا کہ علامہ محمد امین ابن عابدین شامی قدس سرہ السامی لکھتے ہیں:”من ضحی عن المیت یصنع کمایصنع فی أضحیة نفسه من التصدق والأکل والأجرللمیت والملك للذابح۔قال الصدر:والمختار أنه ان بأمرالمیت لایأکل منهاوالایأکل“ ترجمہ: جس نے میت کی طرف سے قربانی کی تو صدقہ اور کھانے میں اپنی ذاتی قربانی والا معاملہ کیا جائے اور اجر وثواب میت کے لیے ہوگا اور ملکیت ذبح کرنے والے کی ہوگی اور صدر الشریعہ نے فرمایا کہ مختار یہ ہے کہ اگر میت کی وصیت پر قربانی کی تو خود نہ کھائے، ورنہ کھا سکتا ہے۔ (ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الاضحیہ، ج09، ص540، مطبوعہ کوئٹہ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن سے اسی طرح کا ایک سوال کیا گیا کہ منجانب میت(میت کی طرف سے) جو قربانی دی جائے اس گوشت کو کس طرح تقسیم کیا جائے؟تو آپ نے جوابا ارشاد فرمایا:”اس کے بھی یہی حکم ہیں جو اپنی قربانی کے، کہ کھانے، کھلانے، تصدق، سب کا اختیار ہے اور مستحب تین حصے ہیں ایک اپنا، ایک اقارب، ایک مساکین کا، ہاں اگر میت کی طرف سے بحکم میت کرے، تو وہ سب تصدق کی جائے۔“ (فتاوی رضویہ، ج20، ص455، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم

الجواب صحیح
مفتی محمد قاسم عطاری

کتبــــــــــہ
المتخصص فی الفقه الاسلامی
عبد الرب شاکر عطاری مدنی
03صفر المظفر1437ھ/16نومبر2015ء

غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دینے کا حکم

فتویٰ 50

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ غیر مسلم کو قربانی کا گوشت دے سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز یہ بھی بتا دیں کہ ہمارے ہاں جو غیر مسلم ہیں وہ ذمی ہیں یا حربی؟ سائل: بلال رضا عطاری (کھاریاں، گجرات)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

غیر مسلم کو قربانی کا گوشت نہیں دینا چاہیے کہ قربانی شعارِ اسلام اور اعلیٰ درجے کی عبادت ہے، جسے لینے دینے کا تعلق بھی عابدین مسلمین یعنی خدا کو تنہا معبود ماننے والوں اور اس عبادت کو مسلمانوں تک پہنچانے والے سچے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ماننے والوں کے ساتھ ہی ہونا چاہیے۔

جہاں تک ہمارے ملک کے غیر مسلموں کا تعلق ہے کہ ذمی ہیں یا حربی تو اس کا جواب یہ ہے کہ ذمی وہ کافر ہوتا ہے، جو اسلامی حکومت کو جزیہ دیتا ہو۔ چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے: ”الذمی الذی یؤدی الجزیۃ“ ترجمہ: ذمی وہ کافر ہے، جو (اسلامی حکومت کو) جزیہ دیتا ہے۔ (بدائع الصنائع، ج7، ص237، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

فتاوی فیض الرسول میں ہے: ”ذمی اس کافر کو کہتے ہیں، جس کے جان و مال کی حفاظت کا بادشاہِ اسلام نے جزیہ کے بدلے ذمہ لیا ہو۔“

(فتاوی فیض الرسول، ج1، ص501، شبیر برادرز، لاہور)

ذمیوں کے علاوہ سب حربی ہوتے ہیں الا یہ کہ مستامن ہوں اور وہ بھی اصالتاً حربی

ہی ہوتا ہے، لیکن اسے امان حاصل ہوتی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمارے ملک میں رہنے والے غیر مسلم حربی ہیں اور انہیں قربانی کا گوشت نہیں دینا چاہیے۔

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

02ربیع الثانی1441ھ/30نومبر2019ء

قربانی کے جانور کی کھال اجرت میں دینا کیسا؟

فتویٰ 51

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ قربانی کا جانور ذبح کرنے والے قصاب کو ذبح کرنے اور گوشت بنانے کے بدلے قربانی کی کھال بطورِ اُجرت دے سکتے ہیں یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

قصاب کو اُجرت کے طور پر قربانی کے جانور کی کوئی چیز مثلاً گوشت، سری، پائے یا کھال وغیرہ دینا جائز نہیں، بلکہ اس کے لیے الگ سے اُجرت طے کریں۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: لَا یُعْطٰی اَجْرُ الْجَزَّارِ مِنْھَا لِاَنَّہٗ کَبَیْعٍ ترجمہ: ذبح کرنے والے کو قربانی میں سے کوئی چیز بطورِ اُجرت نہیں دے سکتے، کیونکہ یہ بھی بیع (خرید و فروخت) ہی کی طرح ہے۔ (درمختار، 9/543)

اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سنت رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ ایک مقام پر قربانی کی کسی چیز کو اُجرت کے طور پر دینے کا حکم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: اگر یہ اجرت قرار پائی تو حرام

ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، 20/449)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں: قربانی کا چمڑا یا گوشت یا اس میں کی کوئی چیز قصاب یا ذبح کرنے والے کو اجرت میں نہیں دے سکتا۔

(بہارِ شریعت، 3/346)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبــــــــــہ

مفتی ابو محمد علی اصغر عطاری مدنی

ماہنامہ فیضان مدینہ ستمبر 2017ء

قربانی کی کھالیں مدرسے میں دینا اور اس کی رقم مدرسہ کی تعمیر اور بچوں پر خرچ کرنا کیسا؟

فتویٰ 52

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ

(1) کیا قربانی کے جانور کی کھال مدرسہ میں دے سکتے ہیں؟

(2) کھالیں وصول کرنے کے بعد مدرسہ انتظامیہ اسے بیچ کر مدرسہ کی تعمیر اور مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں پر خرچ کرسکتی ہے یا نہیں؟

سائل عثمان عطاری (فیصل آباد)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

(1) جی ہاں! قربانی کے جانور کی کھال مدرسہ میں دے سکتے ہیں۔

قربانی کے متعلق نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "فکلوا وادخروا واتجروا" ترجمہ: اسے کھاؤ، اٹھا رکھو اور نیکی کے کاموں میں خرچ کرو۔

(سنن ابو داود، کتاب الضحایا، باب فی حبس لحوم الاضاحی، ج2، ص40، لاہور)

قربانی کے کھال کا مصرف بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں: "ہر قربت کے کام میں صرف کر سکتے ہیں، جیسے مدرسہ دینیہ کی اعانت۔۔ اس کار قربت مثل مسجد یا مدرسہ دینیہ یا تعلیم یتیماں میں صرف کرنے کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ خود اس نیت سے بیچ کر اس کار خیر میں صرف کرنے والوں کو دے دیں۔"

(فتاوی رضویہ، ج20، ص495، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(2) مدرسہ کی انتظامیہ ان کھالوں کو بیچ کر مدرسہ کی تعمیر اور طلباء پر معروف طریقے سے خرچ کر سکتی ہے۔

قربانی کی کھال کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن ارشاد فرماتے ہیں: "مسجد میں دے سکتے ہیں۔۔ پھر مہتمان مسجد کو اختیار ہے کہ اسے بیچ کر مسجد کے جس کام میں چاہیں لائیں، اگرچہ امام موذن یا فراش کی تنخواہ۔۔ مہتمم مدرسہ کو دے دے وہ تنخواہ میں دے، یا جس کار دینی مدرسہ دینیہ میں چاہے صرف کرے، مدرسہ دینیہ کی عمارت میں خرچ کر سکتا ہے کہ قربت ہے۔۔ اسے کتابوں سے بدل کر طلبہ کو دے سکتے ہیں۔"

(فتاوی رضویہ، ج20، ص494 تا496، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلَّم

کتبـــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

26 ذی القعدہ 1439ھ / 09 اگست 2018ء

تنخواہ لینے والے امام کو قربانی کی کھالیں دینا کیسا؟

فتویٰ 53

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک امام

مسجد ہیں جو خود صاحب نصاب ہیں، وہ نماز پنجگانہ، نماز جمعہ اور نماز جنازہ بغیر کسی اجرت یا تنخواہ کے پڑھاتے ہیں اور مسجد میں آنے والے بچوں کو ناظرہ بھی مفت میں پڑھاتے ہیں، البتہ عیدین کے موقع پر تقریباً تین چار ہزار روپیہ ان کو دیا جاتا ہے، یہ امام صاحب تقریباً پچھلے پندرہ سال سے یہ خدمت کر رہے ہیں، پوچھنا یہ ہے کہ ان امام صاحب کو قربانی کی کھالیں دی جاسکتی ہیں یا نہیں؟ شرعاً اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

امام کو قربانی کی کھالیں تنخواہ یا اجرت کے طور پر دینا تو جائز نہیں، البتہ اگر کھالیں تنخواہ اور اجرت کے طور پر نہ ہوں، بلکہ امام کو ہدیہ کے طور پر دی جائیں یا مسجد میں دی جائیں اور متولی مسجد وہ کھالیں بیچ کر ان سے حاصل ہونے والی رقم امام صاحب کو سالانہ وظیفہ کے طور پر دے جیسا کہ سوال میں بیان ہے، تو جائز ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ”قربانی کی کھال امام مسجد کو دینا جائز ہے، اگر وہ فقیر ہو اور بطور صدقہ دیں یا غنی ہو اور بطور ہدیہ دیں، لیکن اگر اس کی اجرت اور تنخواہ میں دیں، تو اس کی دو صورتیں ہیں، اگر وہ اپنا نوکر ہے، تو اس کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں اور اگر وہ مسجد کا نوکر ہے اور کھال مہتمم مسجد کو مسجد کے لیے دے دی اس نے مسجد کی طرف سے امام کی تنخواہ میں دے دی، تو اس میں کچھ حرج نہیں۔“ (فتاوی رضویہ، جلد20، ص480، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سیدی اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: ” (قربانی کی کھال) اگر تنخواہ میں

دے، تو امام اگر اس کا نوکر ہے جس کی تنخواہ اسے اپنے مال سے دینی ہوتی ہے، تو دینا، ناجائز کہ یہ وہی تمول ہوا جو ممنوع ہے اور اگر وہ مسجد کا نوکر ہے جس کی تنخواہ مسجد دیتی ہے، تو جائز ہے کہ یہ مسجد میں دے دے اور مسجد کی طرف سے امام کی تنخواہ میں دی جائے۔"

(فتاویٰ رضویہ، جلد20، ص480، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: چرم قربانی خود بھی استعمال میں لا سکتے ہیں اور دوسرے کو بھی دے سکتے ہیں، اگر امام کو دیا جب بھی حرج نہیں بشرطیکہ یہ دینا اجرتِ امامت میں نہ ہو، بلکہ بغرض اعانت ہو، در مختار میں ہے: "ویتصدق بجلدھا أو یعمل منه نحو غربال و جراب۔"

یوہیں نفلی صدقہ بھی امام کو دے سکتے ہیں، ہاں اگر صدقہ واجبہ ہے جیسے صدقہ فطر اور امام غنی ہو، تو اسے نہیں دے سکتے اور اجرتِ امامت میں بھی نہیں دے سکتے، امام کو نوکر رکھنا مثلاً ماہانہ اتنا دیا جائے گا یہ جائز ہے، مگر یہ اجرت صدقہ فطر یا زکوۃ یا چرم قربانی سے ادا نہ کی جائے، بلکہ مسجد کی آمدنی سے یا چندہ کرکے تنخواہ ادا کریں۔"

(فتاویٰ امجدیہ، جلد3، ص312، مکتبہ رضویہ، کراچی)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلَّم

الجواب صحیح	کتبـــــــــــــــــہ
مفتی محمد قاسم عطاری	المتخصص فی الفقہ الاسلامی
	محمد نوید چشتی
	20 شوال المکرم 1434ھ / 28 اگست 2013ء

صاحبِ نصاب امام مسجد سے تنخواہ بھی لیتا ہو، تو اسے قربانی کی کھال دینا کیسا؟

فتویٰ 54

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ مسجد کے

امام صاحب تنخواہ لیتے ہیں اور صاحب نصاب بھی ہیں، اس حالت میں ان کو قربانی کی کھال دے سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی رہنمائی فرمادیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

مسجد کے امام کو قربانی کی کھالیں تنخواہ یا اجرت کے طور پر براہ راست نہ دی جائیں ،البتہ اگر کھالیں تنخواہ اور اجرت کے طور پر نہ ہوں، بلکہ امام کو ہدیہ کے طور پر دی جائیں، تو جائز ہے، اگرچہ امام مسجد سے تنخواہ لیتا ہو اور خود صاحب نصاب ہو، اسی طرح اگر کھالیں مسجد میں دی جائیں اور متولی مسجد وہ کھالیں بیچ کر ان سے حاصل ہونے والی رقم امام صاحب کو تنخواہ کے طور پر دے، تو یہ تنخواہ دینا بھی جائز ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "قربانی کی کھال امام مسجد کو دینا جائز ہے، اگر وہ فقیر ہو اور بطور صدقہ دیں، یا غنی ہو اور بطور ہدیہ دیں، لیکن اگر اس کی اجرت اور تنخواہ میں دیں، تو اس کی دو صورتیں ہیں، اگر وہ اپنا نوکر ہے، تو اس کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں اور اگر وہ مسجد کا نوکر ہے اور کھال مہتمم مسجد کو مسجد کے لیے دے دی اس نے مسجد کی طرف سے امام کی تنخواہ میں دے دی، تو اس میں کچھ حرج نہیں۔" (فتاوی رضویہ، جلد20، ص480، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

سیدی اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اسی طرح کے ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: " (قربانی کی کھال) اگر تنخواہ میں دے، تو امام اگر اس کا نوکر ہے جس کی تنخواہ اسے اپنے مال سے دینی ہوتی ہے، تو دینا ناجائز کہ یہ وہی تمول ہوا جو ممنوع ہے اور اگر وہ مسجد کا نوکر ہے جس کی تنخواہ مسجد دیتی ہے، تو جائز ہے کہ

یہ مسجد میں دے دے اور مسجد کی طرف سے امام کی تنخواہ میں دی جائے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد20، ص480، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں:" چرم قربانی خود بھی استعمال میں لا سکتے ہیں اور دوسرے کو بھی دے سکتے ہیں، اگر امام کو دیا جب بھی حرج نہیں بشرطیکہ یہ دینا اجرتِ امامت میں نہ ہو، بلکہ بغرض اعانت ہو، در مختار میں ہے: ویتصدق بجلدھا أو یعمل منه نحو غربال و جراب۔ یوہیں نفلی صدقہ بھی امام کو دے سکتے ہیں، ہاں اگر صدقہ واجبہ ہے جیسے صدقہ فطر اور امام غنی ہو، تو اسے نہیں دے سکتے اور اجرتِ امامت میں بھی نہیں دے سکتے، امام کو نوکر رکھنا مثلاً ماہانہ اتنا دیا جائے گا یہ جائز ہے، مگر یہ اجرت صدقہ فطر یا زکوۃ یا چرم قربانی سے ادا نہ کی جائے، بلکہ مسجد کی آمدنی سے یا چندہ کر کے تنخواہ ادا کریں۔" (فتاوی امجدیہ، ج3، ص312، مکتبہ رضویہ کراچی)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلَّم

الجواب صحیح	کتبــــــــــہ
مفتی محمد قاسم عطاری	المتخصص فی الفقہ الاسلامی
	محمد نوید چشتی
	16 ربیع الثانی 1438ھ / 15 جنوری 2017ء

قربانی کی کھال مسجد کی تعمیر میں دینا کیسا اور کیا قربانی کی کھال کا فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے؟

فتویٰ 55

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ تعمیر مسجد کا کام جاری ہو، تو کیا قربانی کی کھالیں تعمیر مسجد میں صرف کی جا سکتی ہیں؟

(۲) کیا قربانی کی کھالوں میں کسی فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے؟ سائل: محمد یونس علی (راولپنڈی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

قربانی کی کھال ہر نیک، جائز اور ثواب والے کام میں صرف کی جاسکتی ہے اور تعمیر مسجد یا مصارف مسجد میں خرچ کرنا بھی نیک اور ثواب کا کام ہے، لہذا تعمیر مسجد میں قربانی کی کھالیں صَرف کی جاسکتی ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضور اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے قربانی کے متعلق فرمایا: ”فکلوا وادخروا واتجروا“ ترجمہ: پس کھاؤ، اٹھار کھو اور ثواب کے کام میں خرچ کرو۔“

(سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب حبس لحوم الاضاحی، جلد2، صفحہ40، مطبوعہ لاہور)

فتاوی رضویہ میں ہے: ”قربانی کی کھال ہر اس کام میں صَرف کرسکتے ہیں، جو قربت و کارِ خیر و باعثِ ثواب ہو، حدیث میں ہے: ”فکلوا وادخروا وائتجروا۔“

(فتاوی رضویہ، جلد 20، صفحہ 473، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مزید فرماتے ہیں: ”قربانی کے چمڑوں کو للہ مسجد میں دے دینا کہ انہیں یا ان کی قیمت کو متولی یا منتظمانِ مسجد، مسجد کے کاموں مثلاً ڈول، رسی، چراغ، بتی، فرش، مرمت، تنخواہِ موذن، تنخواہِ امام وغیرہ میں صرف کریں، بلاشبہ جائز و باعثِ اجر و کارِ ثواب ہے، تبیین الحقائق میں ہے: ”جاز لانہ قربۃ کالتصدق“ ترجمہ: جائز ہے، کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔“

(فتاوی رضویہ، جلد 20، صفحہ 476، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

فتاوی امجدیہ میں ہے: ”چرمِ قربانی مسجد میں صَرف کرسکتا ہے، یونہی بیچ کر اس کی قیمت سے مسجد کی مرمت کرنا یا لوٹا وغیرہ سامانِ مسجد خریدنا، جائز ہے، جبکہ اس کی نیت سے بیچا ہو، یا متولی مسجد کو چمڑا دیدیا، کہ اس نے بیچ کر ان چیزوں میں صَرف کیا ہو (یہ جائز ہے)“۔

(فتاوی امجدیہ، حصہ 3، صفحہ 307، مکتبہ رضویہ، آرام باغ، کراچی)

(۲) قربانی کی کھالوں میں کسی فقیرِ شرعی کو مالک بنانا ضروری نہیں، کہ تملیکِ فقیر زکوۃ اور بعض صدقاتِ واجبہ میں شرط ہے، ہر صدقۂ واجبہ میں بھی لازم نہیں، جیسے کفارۂ صیام وظہار ویمین میں، کہ ان کا کھانا کھلانے میں اباحت کافی ہے، جبکہ کھال کو صدقہ کرنا واجب بھی نہیں، ایک نفلی صدقہ ہے، اسی لیے نیک، جائز اور قربت والے کاموں میں صَرف کرنے کے علاوہ مخصوص شرائط کے ساتھ اپنے کام میں بھی لایا جاسکتا ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہی ہے: ”تصدق جس میں تملیکِ فقیر ضرور ہے، صدقاتِ واجبہ مثل زکوۃ میں ہے، ہر صدقہ واجبہ میں بھی نہیں، جیسے کفارۂ صیام وظہار ویمین کہ ان کے طعام میں تملیکِ فقیر کی حاجت نہیں، اباحت بھی کافی ہے، کمافی فتح القدیر، وغیرہ عامۃ الکتب۔“

چرم قربانی کا تصدق اصلاً واجب نہیں، ایک صدقۂ نافلہ ہے، اس میں اشتراطِ تملیک کہاں سے آیا، بلکہ ہر قربت جائز ہے، نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ”کلوا وادخروا وائتجروا“ ترجمہ: کھاؤ اور ذخیرہ رکھو، اور ثواب کا کام کرو۔“

کیا مسجد میں دینا ثواب کا کام نہیں، امام زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں: ”لانہ قربۃ کالتصدق“ ترجمہ: کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔“

(فتاوی رضویہ، جلد 20، صفحہ 488، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

مزید فرماتے ہیں: ”زکوۃ میں تملیک بلاعوض بہ نیتِ زکوۃ درکار ہے، بے اس کے اور وجوہِ تقرب مثل مسجد ومدرسہ وتکفینِ موتی وغیرہا میں اس کا صَرف کافی نہیں، ہاں مثلاً جو طلبہ علم مصرف ہوں، انہیں نقد یا کپڑے یا کتابیں بروجہ مذکور دے کر اعانتِ مدرسہ ممکن، کمایظھر من الدر وغیرہ۔

چرمِ قربانی میں تصدق بمعنی مسطور اصلاً ضرور نہیں، منسک متوسط میں ہے: ”لایجب

التصدق به" ترجمہ: اس کا صدقہ نہیں، مسلک متقسط میں ہے:"لا بکله ولا ببعضه" ترجمہ: نہ کل نہ بعض"۔ (فتاوی رضویہ، جلد 20، صفحہ 497، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

17ذوالقعدۃالحرام1437ھ / 21اگست2016ء

متفرقات

ذوالحجہ کے 10 دنوں میں ناخن بال کاٹنے کا حکم

فتویٰ 56

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ جس پر قربانی واجب ہو، کیا اسے قربانی تک بال اور ناخن نہ کاٹنا ضروری ہیں؟

(۲) اور جس پر قربانی واجب نہیں، اس کے لیے کیا حکم ہے؟ سائل: محمد شفیق اطہر (واہ کینٹ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

جس نے قربانی کرنی ہو، حدیثِ پاک میں اسے ذوالحجہ کا چاند طلوع ہونے کے بعد سے قربانی تک اپنے بال اور ناخن کاٹنے سے منع فرمایا گیا ہے، لیکن یہ حکم وجوبی نہیں، بلکہ استحبابی ہے، یعنی اس پر عمل کرنا بہتر ہے، لہٰذا اگر کسی نے بال یا ناخن کاٹ لیے، تو گنہگار نہیں۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ موئے زیرِ ناف و بغل اور ناخن، چالیس دن کے اندر کاٹنا ضروری ہیں، چالیس دن سے زائد بڑھانا مکروہ تحریمی، ناجائز و گناہ ہے، لہٰذا اگر کسی نے کئی دن سے ناخن یا موئے زیرِ ناف و بغل نہ کاٹے ہوں اور قربانی تک نہ کاٹنے سے چالیس دن

سے زائد کا عرصہ ہو جائے گا، تو اب وہ اس مستحب پر عمل نہیں کر سکتا۔

قربانی کرنے والا اپنے ناخن اور بال نہ کاٹے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا سے مروی ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "من کان لہ ذبح، یذبحہ فاذا اھل ھلال ذی الحجۃ، فلا یاخذن من شعرہ ولا من اظفارہ شیئاً حتی یضحی" ترجمہ: جس کے پاس قربانی کے لیے جانور ہو، تو جب ذوالحجہ کا چاند طلوع ہو جائے، وہ اپنے بالوں اور ناخنوں سے کچھ بھی نہ کاٹے، حتی کہ قربانی کر لے۔"

(صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب نھی من دخل۔۔الخ، جلد 2، صفحہ 160، مطبوعہ کراچی)

یونہی جامع ترمذی میں ہے، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "من رای ھلال ذی الحجۃ واراد ان یضحی، فلا یاخذن من شعرہ ولا من اظفارہ" ترجمہ: جو ذوالحجہ کا چاند دیکھے اور قربانی کا ارادہ رکھتا ہو، تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔"

(جامع ترمذی، ابواب الاضاحی، باب ترک اخذ الشعر لمن ارادہ ان یضحی، جلد 1، صفحہ 278، مطبوعہ کراچی)

مراۃ المناجیح میں ہے: "جو امیر وجوباً یا فقیر نفلاً قربانی کا ارادہ کرے، وہ بقر عید کا چاند دیکھنے سے قربانی کرنے تک ناخن بال اور مردار کھال وغیرہ نہ کاٹے، نہ کٹوائے تاکہ حاجیوں سے قدرے مشابہت ہو جائے، کہ وہ لوگ احرام میں حجامت نہیں کرا سکتے اور تا کہ قربانی ہر بال، ناخن کا فدیہ بن جائے۔ یہ حکم استحبابی ہے، وجوبی نہیں، لہذا قربانی والے پر حجامت نہ کرانا بہتر ہے، لازم نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اچھوں سے مشابہت بھی اچھی ہے۔" (مراۃ المناجیح، جلد 2، صفحہ 370، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

فتاوی رضویہ میں ہے: "یہ حکم صرف استحبابی ہے، کرے تو بہتر ہے، نہ کرے تو مضائقہ نہیں، نہ اس کو حکم عدولی کہہ سکتے ہیں، نہ قربانی میں نقص آنے کی کوئی وجہ، بلکہ

اگر کسی شخص نے ۳۱ (اکتیس) دن سے کسی عذر کے سبب خواہ بلا عذر ناخن نہ تراشے ہوں، نہ خط بنوایا ہو کہ چاند ذی الحجہ کا ہو گیا، تو وہ اگرچہ قربانی کا ارادہ رکھتا ہو، اس مستحب پر عمل نہیں کر سکتا، اب دسویں تک رکھے گا، تو ناخن و خط بنوائے ہوئے اکتالیسواں دن ہو جائے گا اور چالیس دن سے زیادہ نہ بنوانا گناہ ہے، فعل مستحب کے لئے گناہ نہیں کر سکتا۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 20، صفحہ 353، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

(۲) جو شخص قربانی نہ کر سکے، اگر وہ بھی اس عشرہ مبارکہ (یعنی ذوالحج کے پہلے دس ایام) میں بال اور ناخن کاٹنے سے رُکا رہے، پھر بعد نمازِ عید حجامت وغیرہ کروالے، تو قربانی کا ثواب پائے گا۔

سنن ابو داؤد و نسائی میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے مروی ہے، نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "**امرت بیوم الاضحی عیداً، جعلہ اللہ عزوجل لھذہ الامۃ، فقال الرجل: ارایت ان لم اجد الا منیحۃ انثی، افاضحی بھا قال: لا، لکن تاخذ من شعرك وتقلم اظفارك وتقص شاربك وتحلق عانتك، فذلك تمام اضحیتك عند اللہ عزوجل**" ترجمہ: مجھے یوم اضحیٰ کا حکم دیا گیا، اس دن کو اللہ پاک نے اس امت کے لیے عید بنایا۔ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم! اگر میرے پاس منیحہ (یعنی ادھار لیے گئے جانور) کے سوا کوئی جانور نہ ہو، تو کیا اسی کی قربانی کر دوں؟ فرمایا: نہیں۔ ہاں! تم اپنے بال، ناخن اور مونچھیں تراشو اور موئے زیر ناف مونڈھ لو، اسی میں تمہاری قربانی اللہ پاک کے ہاں پوری ہو جائے گی۔"

(سنن نسائی، کتاب الضحایا، باب من لم یجد الاضحیۃ، جلد 2، صفحہ 201، مطبوعہ لاہور)

مراۃ المناجیح میں ہے: "جو قربانی نہ کر سکے، وہ بھی اس عشرہ میں حجامت نہ کرائے،

بقر عید کے دن بعدِ نماز حجامت کرائے، تو ان شاء اللہ ثواب پائے گا، جیسا کہ بعض روایت میں ہے“۔ (مراۃ المناجیح، جلد2، صفحہ 370، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

صدر الشریعہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ مذکورہ حدیثِ پاک ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”یعنی جس کو قربانی کی توفیق نہ ہو، اسے ان چیزوں کے کرنے سے قربانی کا ثواب حاصل ہو جائے گا“۔ (بہار شریعت، حصہ 15، صفحہ 330، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

28ذوالقعدۃ الحرام1440ھ / 01اگست2019ء

جلدی نمازِ عید پڑھ لینے والوں کا دوسروں کی قربانی کرنا کیسا؟

فتویٰ 57

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں متعدد جگہ عید کی نماز ہوتی ہے، مرکزی مسجد میں عید کی نماز دیگر مساجد کی نسبت کچھ تاخیر سے ہوتی ہے، ہمارے یہاں مقامی مدرسہ میں اجتماعی قربانی کا سلسلہ ہوتا ہے، اگر قاری صاحبان جلدی عید کی نماز پڑھ کر ان افراد کی قربانی کردیں جو مرکزی مسجد میں عید کی نماز پڑھتے ہوں اور ابھی تک انہوں نے نماز عید نہ پڑھی ہو، تو قاری صاحبان کا اس طرح کرنا کیسا؟ ایسا کرنے سے قربانی ہو گی یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں جبکہ آپ کے ہاں متعدد جگہوں پر عید کی نماز ہوتی ہے، تو

قاری صاحبان کا جلدی عید کی نماز پڑھ کر ان افراد (جو مرکزی مسجد میں عید کی نماز پڑھتے ہیں اور انہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی، ان) کی قربانی کر دینا جائز ہے اور ان افراد کی قربانی بھی ہو جائے گی، کیونکہ جہاں متعدد جگہ عید کی نماز ہوتی ہو، وہاں پہلی جگہ نماز ہو چکنے کے بعد قربانی جائز ہے یعنی یہ ضروری نہیں کہ عید گاہ میں نماز ہو جائے جب ہی قربانی کی جائے، بلکہ کسی مسجد میں ہو گئی اور عید گاہ میں نہ ہوئی جب بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے "ولو ضحی بعد ما صلی أهل المسجد ولم يصل أهل الجبانة أجزأه استحسانا "یعنی: اگر مسجد والوں کی نماز کے بعد قربانی کی اس حال میں کہ ابھی عید گاہ والوں نے نماز نہیں پڑھی تھی، تو استحسانا قربانی کرنا درست ہے۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، ج9، ص528، مطبوعہ کوئٹہ)

یونہی الجوہرۃ النیرۃ میں ہے: "تجوز صلاة العيد في المصر في موضعين ويجوز أن يضحي بعد ما صلى في أحد الموضعين استحسانا "یعنی: نماز عید شہر میں دو جگہوں پر جائز ہے اور دو جگہوں میں سے ایک میں نماز پڑھنے کے بعد قربانی کرنا استحسانا جائز ہے۔

(الجوہرۃ النیرۃ، ج1، ص114، مطبوعہ ملتان)

صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ ایک جگہ نماز ہو جانے کے بعد قربانی کے درست ہونے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں "اگر شہر میں متعدد جگہ عید کی نماز ہوتی ہو، تو پہلی جگہ نماز ہو چکنے کے بعد قربانی جائز ہے یعنی یہ ضرور نہیں کہ عید گاہ میں نماز ہو جائے جب ہی قربانی کی جائے، بلکہ کسی مسجد میں ہو گئی اور عید گاہ میں نہ ہوئی جب بھی ہو سکتی ہے۔"

(بہار شریعت، حصہ 15، ص337، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

07ربیع الاول1437ھ / 07دسمبر2016ء

بیرونِ ملک والے کی قربانی پاکستان کی جائے، تو کہاں کے وقت کا اعتبار ہو گا؟

فتویٰ 58

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک شخص بیرون ملک ہے، پاکستان میں اس نے قربانی کے لیے رقم بھیجی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ نماز عید پڑھ کر پاکستان میں اس آدمی کے جانور کی قربانی کر سکتے ہیں؟ حالانکہ بیرون ملک میں ابھی دس ذوالحج کی صبح صادق نہیں ہوئی؟ وضاحت فرمادیں۔

سائل: غلام ربانی عطاری (کوٹلی، آزاد کشمیر)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں بیرون ملک والا شخص جہاں رہتا ہے، اگر وہاں ابھی تک دس ذوالحج کی صبح صادق طلوع نہیں ہوئی، تو اس کی قربانی پاکستان میں کرنے سے واجب قربانی ادا نہیں ہو گی، کیونکہ قربانی کے وجوب کا سبب وقت ہے اور وہ وقت دس ذوالحج کی صبح صادق طلوع ہونے سے شروع ہوتا ہے، لہذا دس ذوالحج کی صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے قربانی واجب ہی نہیں ہوئی، لہذا وجوب سے پہلے ہی کی گئی قربانی سے، بعد میں واجب ہونے والی قربانی ادا نہیں ہو گی، اگرچہ پاکستان میں دیہات میں قربانی کرنے کی صورت میں صبح صادق طلوع ہو چکی ہو، یا شہر میں قربانی کرنے کی صورت میں یہاں شہر کے کسی مقام پر عید کی نماز ہو چکی ہو۔ البتہ بیرون ملک والا شخص جہاں موجود ہے، اگر وہاں دس ذوالحج کی صبح صادق کا وقت ہو گیا ہے، تو اب پاکستان کے دیہات میں قربانی کرنے کی صورت میں یہاں دس ذوالحجۃ الحرام کو طلوع فجر کے بعد اور شہر میں قربانی کرنے کی

صورت میں یہاں اس شہر کے کسی مقام پر نماز عید ہو چکنے کے بعد قربانی کی، تو ادا ہو جائے گی اگرچہ جس کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے، جہاں وہ شخص موجود ہے، وہاں ابھی تک عید کی نماز نہ ہوئی ہو، کیونکہ اس میں قربانی والی جگہ کا اعتبار ہے، قربانی کرنے والے کے شہر کا اعتبار نہیں ہے۔

صاحب درمختار قربانی کے وجوب کے سبب کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:"و سببها الوقت و هو أيام النحر" اور اس کے وجوب کا سبب وقت ہے اور وہ ایام النحر کا وقت ہے۔

اس عبارت کے تحت علامہ شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:" ذکر فی النهاية أن سبب وجوب الأضحية و وصف القدرة فيها بأنها ممكنة أو ميسرة لم يذكر لا فی أصول الفقه و لا فی فروعه، ثم حقق أن السبب هو الوقت، لأن السبب إنما يعرف بنسبة الحكم إليه و تعلقه به، إذ الأصل فی إضافة الشئ إلى الشئ أن يكون سبباً " ترجمہ: نہایہ میں ذکر کیا ہے کہ قربانی کے وجوب کا سبب اور اس میں ممکن اور آسان ہونے کے اعتبار سے قدرت کا وصف ذکر نہیں کیا گیا، نہ اصول فقہ میں اور نہ ہی اس کی فروعات میں۔ پھر انہوں نے تحقیق فرمائی کہ اس کے وجوب کا سبب وقت ہے، اس لیے کہ سبب کی پہچان، اس کی طرف حکم کی نسبت اور اس کے ساتھ حکم کے تعلق سے ہوتی ہے، اس لیے کہ ایک شے کی دوسری شے کی طرف اضافت میں اصل یہی ہے کہ وہ دوسری شے کے لیے سبب ہو۔

(الدر المختار مع رد المحتار، جلد9 ص520، مطبوعہ پشاور)

درمختار مع ردالمحتار میں ہے:"أول وقتها بعد الصلوة إن ذبح فی مصر و بعد طلوع فجر يوم النحر إن ذبح فی غيره و المعتبر مكان الأضحية لا مكان من عليه" یعنی قربانی

کا وقت نماز کے بعد ہے، اگر شہر میں کرے اور اگر گاؤں میں ذبح کرنی ہو تو عید کے روز صبح طلوع ہونے کے بعد اور قربانی میں ذبح کرنے کی جگہ معتبر ہے، قربانی کرنے والے کی جگہ معتبر نہیں۔ (الدر المختار مع رد المحتار، جلد 9، ص 529، مطبوعہ پشاور)

فتاوی عالمگیری میں ہے: ”إن الرجل إذا کان فی مصر و أھله فی مصر آخر فکتب إلیهم لیضحوا عنه فإنه یعتبر مکان التضحیة فینبغی أن یضحوا عنه بعد فراغ الإمام من صلاته فی المصر الذی یضحی عنه فیه“ یعنی اگر ایک شخص ایک شہر میں ہو اور اس کے اہل دوسرے شہر میں ہوں، وہ اپنے گھر والوں کو کہے کہ میری طرف سے قربانی کریں، تو بے شک اس میں قربانی والی جگہ کا اعتبار کیا جائے گا، یعنی اس کے اہل کے لیے اجازت ہوگی کہ وہ جس شہر میں قربانی کر رہے ہیں، اس شہر میں امام کے نماز عید سے فارغ ہونے کے بعد، اس شخص کی طرف سے قربانی کر دیں۔ (فتاوی عالمگیری، جلد 5، ص 366، مطبوعہ کراچی)

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: ”قربانی واجب ہونے کا سبب وقت ہے، جب وہ وقت آیا اور شرائط وجوب پائے گئے، قربانی واجب ہو گئی“۔ (بہار شریعت، جلد 3، حصہ 15، ص 333 مکتبۃ المدینہ، کراچی)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: ”قربانی کا وقت دسویں ذی الحجہ کے طلوع صبح صادق سے بارہویں کے غروب آفتاب تک ہے۔“ (بہار شریعت، جلد 3، حصہ 15، ص 336، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مزید ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ”یہ جو شہر اور دیہات کا فرق بتایا گیا ہے، یہ مقام قربانی کے لحاظ سے ہے، قربانی کرنے والے کے اعتبار سے نہیں، یعنی دیہات میں قربانی ہو تو وہ وقت ہے، اگرچہ قربانی کرنے والا شہر میں ہو اور شہر میں ہو تو نماز کے بعد ہو، اگرچہ

جس کی طرف سے قربانی ہو وہ دیہات میں ہو۔" (بہار شریعت، جلد 3، حصہ 15، ص 337 مکتبۃ المدینہ، کراچی)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

الجواب صحیح	کتبـــــــــــــہ
مفتی محمد قاسم عطاری	المتخصص فی الفقہ الاسلامی
	محمد نوید چشتی
	28 صفر المظفر 1441ھ / 28 اکتوبر 2019ء

اجتماعی قربانی والوں کا مسجد میں گوشت بنانا کیسا؟

فتویٰ 57

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک مسجد میں اجتماعی قربانی کا اہتمام ہوتا ہے اور اجتماعی قربانی کرنے والے مسجد کے صحن میں جو کہ عینِ مسجد ہے، وہاں پر گوشت بناتے ہیں، جس سے مسجد کا صحن آلودہ ہو جاتا ہے اور نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ مسجد کے صحن میں گوشت بنانا شرعی طور پر کیسا ہے؟ عینِ مسجد کے صحن میں بغیر کچھ بچھائے ماربل پر گوشت بناتے ہیں، جس سے مسجد کا فرش آلودہ ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں جو حکم شرعی ہو بیان فرمائیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

اجتماعی قربانی کرنے والوں کا عینِ مسجد کے صحن میں گوشت بنانا، مسجد کے فرش کو آلودہ کرنا یہ مسجد کی بے ادبی اور سخت ناجائز و حرام ہے کہ مسجدیں ان کاموں کے لیے نہیں بنیں اور جن کاموں کے لیے مساجد نہیں بنیں، حدیث میں ان کاموں کو مسجد میں کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ مسجد میں گوشت بنانا تو دور کی بات ہے، کچا گوشت لے کر صرف مسجد

سے گزرنے کی بھی احادیث میں ممانعت ہے۔ نیز مسجد کو آلودہ کرنا حرام ہے، اگرچہ وہ کسی پاک چیز سے ہی ہو اور مسجد کو صاف ستھرا رکھنا واجب ہے، لہٰذا صحنِ مسجد میں گوشت پھیلا کر مسجد کو آلودہ اور بدبودار کرنا بلاشبہ حرام کام ہے۔ جس جس نے ایسا کیا ہے، وہ سب گنہگار اور مستحقِ عذابِ نار ہیں۔ ان پر اپنے اس حرام فعل سے توبہ فرض ہے۔

نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں: ”من سمع رجلا ينشد ضالة في المسجد فليقل لا ردها الله عليك فان المساجد لم تبن لهذا“ ترجمہ: جو کسی شخص کو سنے کہ مسجد میں اپنی گم شدہ چیز دریافت کرتا ہے، تو اسے چاہیے کہ اس سے کہے: اللہ تیری گمی چیز تجھے نہ ملائے، کیونکہ مسجدیں اس لیے نہیں بنیں۔

(صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 397، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ بدرالدین عینی حنفی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: ”قوله: ”لم تبن لهذا“ أي: لإنشاد الضالة؛ وإنما بُنيت لأداء الفرائض۔ وقد يدخل في هذا كل أمرٍ لم يُبن له المسجد من البيع والشراء، ونحو ذلك من أمور معاملات الناس واقتضاء حقوقهم“ ترجمہ: نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان کہ مساجد اس کام کے لیے نہیں بنیں یعنی مسجدیں اپنی گمشدہ چیزیں تلاش کرنے کے لیے نہیں بنیں، بلکہ وہ تو فرائض ادا کرنے کے لیے بنی ہیں اور اس (ممانعت) میں ہر وہ کام داخل ہے، جس کے لیے مسجد نہیں بنی جیسے خرید و فروخت اور اس کی مثل لوگوں کے دیگر معاملات اور ان کے حقوق کی ادائیگی سے متعلقہ امور۔ (شرح ابی داود للعینی، باب فی کراہیۃ انشاد الضالۃ فی المسجد، جلد 2، صفحہ 386، مطبوعہ بیروت)

نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کچا گوشت مسجد میں لے جانے سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں ہے: ”عن ابن عمر رضی اللہ عنہما، عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قال:"خصال لاتنبغی فی المسجد:لا یتخذ طریقاً --ولا یمر فیه بلحم نیء-ملتقطاً"ترجمہ:حضرت عبد اللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: کچھ کام ایسے ہیں جو مسجد میں کرنے مناسب نہیں۔(وہ یہ ہیں کہ)مسجد کو راستہ نہ بنایا جائے اور کچا گوشت لے کر مسجد سے نہ گزرا جائے۔

(سنن ابن ماجہ، باب ماکرہ فی المساجد، رقم الحدیث 748، مطبوعہ دار ابن کثیر، بیروت)

مفتی امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ فرماتے ہیں:"مسجد میں کچا لہسن پیاز کھا کر جانا، جائز نہیں جب تک بو باقی ہو کہ فرشتوں کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ حضور اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ارشاد فرماتے ہیں: جو اس بدبودار درخت سے کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے کہ ملائکہ کو اس چیز سے ایذا ہوتی ہے جس سے آدمی کو ہوتی ہے اس حدیث کو بخاری و مسلم نے جابر رَضِیَ اللہُ عَنْہ سے روایت کیا یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جس میں بدبُو ہو۔ جیسے گندنا، مولی، کچا گوشت (جس کی حدیث میں بھی صراحت ہے)۔

(بہار شریعت، جلد1، حصہ 03، صفحہ 648، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

مسجد کو گندگی سے بچانا ضروری ہے۔ جیسا کہ البحر الرائق میں ہے:"إنما الحرمة للمسجد ولکون المسجد یصان عن القاذورات ولو کانت طاھرة"ترجمہ:بیشک یہ مسجد کی حرمت کی وجہ سے ہے تاکہ مسجد کو ہر قسم کی گندی چیزوں سے بچایا جائے، اگرچہ وہ چیزیں پاک ہی کیوں نہ ہوں۔ (البحر الرائق، کتاب الصلوۃ، جلد02، صفحہ 61، مطبوعہ کوئٹہ)

مسجد کو صاف ستھرا رکھنا واجب ہے۔ جیسا کہ غمز عیون البصائر میں ہے:"لأن تنظیف المسجد واجب"ترجمہ:کیونکہ مسجد کو صاف ستھرا رکھنا واجب ہے۔

(غمز عیون البصائر، الفن الثانی، القول فی احکام المسجد، جلد04، صفحہ 53-55، دار الکتب العلمیۃ)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلَّم

کتبـــــــــــہ

مفتی محمد ہاشم خان عطاری

7ذیقعدۃ الحرام1439ھ/21جولائی2018ء

قرعہ اندازی اور قربانی

فتویٰ 60

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ ایک دکاندار نے لوگوں کے لیے ایک پیکج کا اعلان کیا ہے کہ جو اس سے فریج یا دیگر چیزیں خرید ے گا، وہ اس کا نام قرعہ اندازی میں شامل کریں گے اور قرعہ اندازی کا ٹوکن پچاس روپے کا الگ سے لینا ہو گا، جس کا نام قرعہ اندازی میں نکل آیا، اسے بکرا یا گائے وغیرہ دی جائے گی اور جس کا نام نہ نکلا، اس کے پچاس روپے واپس نہیں ملیں گے، تو یہ اسکیم شرعا کیسی ہے؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں یہ انعامی طریقہ کار جوا ہے، جو بلا شک و شبہ ناجائز و حرام ہے ،کیونکہ جس کا نام قرعہ اندازی میں نکلے گا، وہ تو انعام حاصل کرے گا اور جس کا نام نہیں نکلا، اس کے پچاس روپے ضائع ہو گئے، تو یہ اپنے مال کو خطرے پر ڈالنا ہے کہ زیادہ نفع والی چیز ملے گی یا اپنا مال ہی چلا جائے گا اور جوا اسی کو کہتے ہیں۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ علم دین نہ ہونے کی وجہ سے کس طرح قربانی جیسی عبادت والے کام میں بھی شیطان نے لوگوں کو حرام و گناہ میں مبتلا کر دیا ہے، لہٰذا دکاندار پر لازم ہے اس قرعہ اندازی والی اسکیم کو ختم کرے اور جس جس سے پچاس روپے بطور ٹوکن لیے ہیں، ان کو واپس کرے۔

اللہ جل جلالہ قرآن مجید میں جوئے کی حرمت کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:
﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: "اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں، شیطانی کام۔ تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ۔"

(القرآن، سورۃ المائدہ، آیت 90)

باطل طریقے پر ایک، دوسرے کے مال کھانے کو سختی سے منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ ترجمہ: ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ۔" (القرآن، سورۃ البقرۃ، آیت 188)

مبسوط میں جوئے کی تعریف سے متعلق ہے: "تعلیق استحقاق المال بالخطر قمار، والقمار حرام فی شریعتنا" ترجمہ: مال کے استحقاق کو خطرے کے ساتھ معلق کرنا جوا ہے اور جوا ہماری شریعت میں حرام ہے۔ (المبسوط للسرخسی، کتاب الاباق، ج11، ص20، مطبوعہ کوئٹہ)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم

الجواب صحیح	کتبـــــــــــہ
مفتی محمد قاسم عطاری	المتخصص فی الفقہ الاسلامی
	ابو حذیفہ محمد شفیق عطاری
	24 ذیقعدۃ الحرام 1439ھ / 07 اگست 2018ء

گولی سے مارا ہوا جانور حلال ہے یا حرام؟

فتویٰ 61

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ اگر کسی حلال جانور کو چھری سے ذبح کی بجائے اس طرح گولی کے ذریعے مارا جائے کہ گولی چلانے

سے پہلے تکبیر پڑھ لی جائے، تو کیا وہ جانور حلال ہو گا؟ سائل: محمد شاہد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَالصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں وہ جانور حلال نہیں ہو گا، کیونکہ عمومی حالات میں پالتو جانور کو گولی کے ساتھ مارا ہو یا شکار کے دوران جانور کو گولی کے ذریعے مارا ہو، بہر صورت جانور حرام ہو گا۔ اس مسئلے کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ذبح شرعی کی دو صورتیں ہیں:

(1) ذبح اختیاری: کسی دھاری دار چیز کے ساتھ ذبح والے جانور (مثلاً بکری، گائے وغیرہ) کی مقامِ ذبح سے مخصوص رگیں کاٹنا یا نحر والے جانور (مثلاً اونٹ) کی محل نحر سے مخصوص رگیں کاٹنا ذبح اختیاری کہلاتا ہے جیسے عمومی حالت میں پالتو جانوروں کو ذبح اختیاری کے طور پر ہی ذبح کیا جاتا ہے۔

(2) ذبح اضطراری: جب ذبح اختیاری ممکن نہ ہو، تو جانور کے کسی بھی حصے پر دھاری دار چیز کا وار کر کے اُسے مارنا ذبح اضطراری کہلاتا ہے جیسے شکار یا بعض اوقات پالتو جانور کے وحشی ہو جانے کی صورت میں جانور کو ذبح اضطراری کے طور پر ذبح کیا جاتا ہے۔

اگر ذبح اختیاری ممکن تھا اور گولی کے ذریعے جانور مار دیا، تو وہ جانور حرام ہو گا، کیونکہ جب ذبح اختیاری ممکن ہو، تو ذبح اختیاری ہی ضروری ہے اور اس کے بغیر جانور مر گیا، وہ حلال نہیں ہو گا۔

المبسوط للسرخسی میں ہے: ”عند تعذر الحل بذکاۃ الاختیار یثبت الحل بذکاۃ الاضطرار“ ترجمہ: جب جانور کو ذبح اختیاری کے ساتھ حلال کرنا، ممکن نہ ہو، تب ذبح اضطراری کے ساتھ اُس جانور کا حلال ہونا ثابت ہو گا۔ (المبسوط للسرخسی، ج 11، ص 228، دار المعرفۃ، بیروت)

البحر الرائق میں ہے: ”لوترك ذكاته مع القدرة عليه يحرم“ ترجمہ: اگر (جانور شکار کیا اور جب قریب پہنچا، تو) ذبح اختیاری ممکن تھا، پھر بھی ذبح نہ کیا، تو وہ جانور حرام ہو جائے گا۔

(البحر الرائق، ج 8، ص 262، دار الکتب الاسلامی، بیروت)

اور اگر ایسی صورت ہو کہ جس میں ذبح اختیاری ممکن نہ ہو جیسے شکار کرنے کی صورت میں، تو بھی گولی مارنے سے جانور حلال نہیں ہو گا، کیونکہ گولی کی دھار نہیں ہوتی، بلکہ وہ اپنے شدید دباؤ کی وجہ سے جسم میں داخل ہو کر موت کا سبب بنتی ہے، جبکہ ذبح اختیاری ہو یا اضطراری، بہر صورت ذبح شرعی کے لیے ضروری ہے کہ کسی دھاری دار چیز مثلاً چھری وغیرہ سے جانور ذبح کیا جائے، اگر کسی ایسی چیز سے ذبح کیا گیا، جس کی دھار نہ ہو اور اُس کی دب و ثقل (وزن) کی وجہ سے جانور مر گیا، تو جانور حلال نہیں ہو گا۔ جیسا کہ کوئی لاٹھی کے وار سے جانور کو مار دے، تو وہ جانور حرام و مردار ہے، لہٰذا اس صورت میں بھی گولی کی وجہ سے مرنے والا جانور حرام ہو گا۔

ذبح کے لیے دھاری دار آلہ ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِیْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَ الْمَوْقُوْذَةُ﴾ ترجمہ کنز الایمان: تم پر حرام ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا اور وہ جو گلا گھونٹنے سے مرے اور بے دھار کی چیز سے مارا ہوا۔ (پارہ 6، سورۃ المائدہ، آیت 3)

حضرت سیدنا عدی بن حاتم رَضِیَ اللہُ عَنْہ نے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے معراض (بغیر پَر کے تیر، جس کا درمیانی حصہ موٹا ہوتا ہے) کے شکار سے متعلق پوچھا، تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”ما اصاب بحده فكله وما اصاب بعرضه فهو وقيذ“ ترجمہ: اُس کی

دھار سے اگر جانور مر گیا، تو اُسے کھاؤ اور اگر (دھار کی بجائے) اُس کی چوڑائی والے حصے کی وجہ سے مر گیا، تو وہ موقوذہ (کے حکم) میں ہے۔ (صحیح بخاری، ج2، ص823، مطبوعہ کراچی)

اللباب فی شرح الکتاب میں ہے: "(وما اصاب المعراض بعرضه لم یؤکل) الجرح لابدمنه لیتحقق معنی الذکاۃ علی ماقدمناه (وان) اصاب بحده (جرحه اکل) لتحقق معنی الذکاۃ قیدنا بالجرح بالحد لانه لوجرحه بعرضه فمات لم یؤکل لقتله بثقله" ترجمہ: "معراض کی چوڑائی والے حصے کی وجہ سے جانور مر گیا، تو اُسے نہیں کھا سکتے" ذبح شرعی کے تحقق کے لیے دھاری دار آلے سے زخم لگنا ضروری ہے" اور اگر اُس کی دھار کی وجہ سے جانور مرا، تو اُسے کھا سکتے ہیں"، کیونکہ ذبح شرعی کا معنیٰ متحقق ہو چکا۔ زخم کے لیے دھاری دار چیز کے ساتھ اس لیے مقید کیا، کیونکہ اگر دھار کی بجائے، چوڑائی والا حصہ لگنے سے جانور مر جائے، تو اُسے کھانا حلال نہیں، کیونکہ وہ اُس کے ثقل (وزن و دباؤ) کی وجہ سے قتل ہوا۔ (اللباب فی شرح الکتاب، ج3، ص221، المکتبۃ العلمیہ، بیروت)

امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "آلہ کا حدید یعنی تیز ہونا اگرچہ شرط نہیں، مگر محدد یعنی باڑھ (دھار) دار ہونا کہ قابل قطع وخرق ہو ضرور ہے۔"

(فتاوی رضویہ، ج20، ص344، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

"الموقوذۃ" کے تحت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں: "خواہ لاٹھی سے مارا ہو یا گولی سے یا غلہ (مٹی کی گولی) سے، حرام ہے۔"

(تفسیر نور العرفان، ص129، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "لایخفی ان الجرح بالرصاص انما هو بالاحراق والثقل بواسطة اندفاعه العنيف اذ ليس له حد فلا يحل وبه افتى ابن

نجیم''ترجمہ: یہ بات پوشیدہ نہیں کہ تانبے کی گولی کا زخم اس کے جلانے اور ثقل (وزن) کی وجہ سے ہے، جو بذریعہ شدید دباؤ کے حاصل ہوتا ہے، کیونکہ گولی کی دھار نہیں ہوتی، لہذا شکار حلال نہ ہو گا اور اسی کے مطابق علامہ ابن نجیم علیہ الرحمۃ نے فتوی دیا۔

(ردالمحتار، ج10، ص69 تا70، مطبوعہ پشاور)

امام اہلسنت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:''بندوق کی گولی دربارۂ حلتِ صید حکمِ تیر میں نہیں، اس کا مارا ہوا شکار مطلقاً حرام ہے کہ اس میں قطع وخرق نہیں، صدم ودق وکسر وحرق ہے۔'' (فتاوی رضویہ، ج20، ص343، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

بیان کردہ دونوں صورتوں میں اگر گولی لگنے کے بعد جانور زندہ تھا کہ اُسے شرعی طریقہ کار کے مطابق کسی دھاری دار چیز سے ذبح کرلیا گیا، تو وہ جانور حلال ہو گا۔

چنانچہ حرام جانوروں کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:﴿اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ ترجمہ کنزالایمان: مگر (حلال جانوروں میں سے مرنے سے پہلے) جنہیں تم ذبح کرلو۔

(پارہ6، سورۃ المائدہ، آیت 3)

امام اہلسنت علیہ الرحمۃ اس بارے میں فرماتے ہیں:'' اگر ذبح کرلیا اور ثابت ہوا کہ ذبح کرتے وقت اس میں حیات تھی مثلاً پھڑک رہا تھا یا ذبح کرتے وقت تڑپا اگرچہ خون نہ نکلا یا خون ایسا دیا جیسا مذبوح سے نکلا کرتا ہے، اگرچہ جنبش نہ کی یا کسی اور علامت سے حیات ظاہر ہوئی، تو حلال ہے۔'' (فتاوی رضویہ، ج20، ص345، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صلَّی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلَّم

کتبـــــــــــــہ

مفتی محمد قاسم عطاری

17ذوالحجۃ الحرام1440ھ /19اگست2019ء